ایک شیعہ طالب علم کا اپنے اساتذہ کے ساتھ دلچسپ مکالمہ

کیا تراویح بدعت ہے؟

مترجم

شاھد خان کاچھی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ پاک کالاکھ احسان ہے کہ اس کی ذات نے مجھے فرقہ پرستی کی لعنت سے ہمیشہ محفوظ رکھااور قرآن وسنت کی سمجھ بوجھ عطاکی۔ اس کااحسان ہے کہ جب بھی مجھے دین کہ متعلق کوئی مسئلہ درپیش آیاتواس نے علماء حق کے ذریعے میری مدد کی۔اسکے علاوہ علامہ امین اصلاحی،علامہ سید شرف الدین موسوی، آیت اللہ العظمی ابوالفضل برقعی،علامہ حمید الدین فراہی،نعمان علی خان،جاوید غامدی،راشد شاز اور مولاناوحید الدین خان جیسے سینکڑوں علمأکاشکریہ جن کی تحاریر اور تقاریر سے ہمارے جیسے دین کے طالب علم مستفیض ہوتے ہیں اور اپنے مذہبی خیالات کارخ قرآن وسنت کی طرف متعین کرتے ہیں۔

یہ تحریر شیعہ رفارمسٹ فورم پر انگریزی میں موجود ہے اور میں نے اسکااردو میں ترجمہ کیاہے۔شیعہ رفارمسٹ شیعہ علماءاور نوجوانوں کی ایک تحریک ہے جولبنان، نجف اور قم سے فارغ التحصیل تھے اور ہیں۔ان کامقصد شیعان میں موجود بدعات کوختم کرنا اور ان کوحقیقی اسلام سے آشناکرناہے۔اس تحریک کے چند مشہور علماءاستاد احمد الکاتب، آیت اللہ ابوالفضل البرقعی،علامہ سید شرف الدین موسوی، علی شریعتی، آیت اللہ آغامکرمی اور الحاج شیخ رضاقلی سنگلجی سمیت سینکڑوں علماءہیں۔

اس تحریر کامقصد صرف شیعہ حضرات کی تراویح کے متعلق غلط فہمیاں ختم کرناہیں اور ان سنی حضرات کی غلط فہمیاں بھی ختم کرنا ہیں جوتراویح کی نماز کوتہجد کے علاوہ کوئی اور نماز سمجھتے ہیں۔

شاھد خان کاچھی

تعارف:

تمام تعریفیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے ہیں اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہمارے پیارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے اہلبیت علیہم السلام اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم جو مخلص اور پرہیز گار تھے۔ اللہ پاک ہمارا گواہ ہے کہ ہم اس اصلاحی اقدام سے کسی "فتنہ" کو بھڑکانے کا ارادہ نہیں رکھتے۔ بلکہ اس تحریر کو مرتب کرنے کے پیچھے ہمارا مخلصانہ مقصد سب سے پہلے شیعہ اور سنی برادریوں کے درمیان فاصلوں کو کم کرنا ہے، کیونکہ سنیوں پر عرصہ دراز سے یہ الزام لگایا جاتا رہا ہے کہ وہ شہر رمضان کی راتوں میں اپنی مسجدوں میں تراویح کا اہتمام اور انتظام کر کے بدعت کرتے ہیں۔ اگرچہ ان میں سے اکثر نماز تراویح میں اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے خلوص نیت سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے رمضان المبارک کی راتوں کو قیام اور قرآن کی تلاوت سے منور کرتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہمارا مقصد شیعوں کو یہ باور کرانا ہے کہ تراویح دراصل بدعت نہیں ہے جیسا کہ ان کو بتایا جاتا ہے۔ اس کے بجائے یہ ایک بہت ہی کارآمد اور فائدہ مند ادارہ ہے جس نے واقعی اس امت کی بہت خدمت کی ہے، اور جب وہ سمجھ جائیں گے کہ یہ ادارہ مسلمانوں کے لیے کیا کرتا ہے، اور ہمارے لیے اس سے کس قسم کی روحانی راہیں کھلتی ہیں، تو انھیں معلوم ہو جائے گا کہ ان کے لیے کیا نعمت ہے اور وہ اس سے محروم رہے ہیں، اور امید ہے کہ اس میں حصہ لینے پر سنجیدگی سے غور کریں، یا کم از کم، وہ ان لوگوں کو حقیر دیکھنا چھوڑ دیں گے جو اس میں حصہ لینے کی کوشش کرتے ہیں۔

ہم اس تحریر کے مواد کو کچھ ذہین اور آزاد سوچ رکھنے والے شیعہ نوجوانوں اور روایتی راسخ العقیدہ شیعہ علمی اسٹیبلشمنٹ کے کچھ نمائندوں کے درمیان ایک فکری مکالمے کی شکل میں پیش کریں گے۔ آپ میں سے کچھ لوگوں کو یہ نقطہ نظر عجیب لگ سکتا ہے، ہم آپ کو آیت اللہ شیخ ابراہیم امینی کی کتاب "حیورات حلال منقد" پڑھنے کا مشورہ دیتے ہیں، جیسا کہ آیت اللہ امینی اپنی کتاب میں بالکل اسی انداز کو استعمال کرتے ہیں۔

ڈین براؤن کے مشہور ناول "دی ڈاونچی کوڈ" کی طرح، مناظر اور مکالمے فرضی ہو سکتے ہیں لیکن اس میں پیش کیے گئے حقائق چٹان کی طرح ٹھوس، درست اور ٹھوس تحقیق کے سہارے ہیں۔ اس میں پیش کی گئی تمام معلومات چٹان پر مبنی ہیں اور ہمارے بہترین علم کے مطابق درست ہیں۔
درحقیقت، تمام حقائق معروف اسلامی کتابوں سے لیے گئے ہیں جو دونوں اطراف کے معروف علماء اور ماہرین نے تصنیف کی ہیں۔ روایات کا رجالی تجزیہ شیعہ علم رجال کے عظیم بزرگوں جیسے آیت اللہ سید ابوالقاسم الخوئی، آیت اللہ سید شہید محمد باقر الصدر، آیت اللہ شیخ آصف المحسینی اور آیت اللہ سید علی سیستانی سمیت دیگر کے طریقہ کار سے متاثر ہے۔

ایک اہم وضاحت:

یہ ایک معروف حقیقت ہے جسے سنی علماء نے قبول کیا ہے کہ لفظ "تراویح" حدیث کے ادب میں نہیں ملتا، بلکہ یہ بہت بعد میں وضع کیا گیا تھا۔ کچھ لوگ اس حقیقت کو استعمال کرتے ہوئے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ تراویح ایک ایسی بدعت ہے جس کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں کوئی نظیر نہیں ملتی، کیونکہ ان کا خیال ہے کہ اگر تراویح کی اصطلاح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں موجود نہ تھی تو یقیناً اس پر عمل بھی نہیں ہوتا تھا. لیکن یہ حقیقت میں ایک غلط فہمی ہے، کیونکہ اگر کوئی چیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں موجود تھی، اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس میں حصہ لیا، اور پھر بعد میں لوگوں نے اس کا نام بدل دیا، تو نام کی تبدیلی کے باوجود یہ عمل سنت ہی ہے۔ دوسرے لفظوں میں سنت کا نام بدلنے سے وہ بدعت نہیں ہو جاتی۔

اس کو واضح کرنے کے لیے ایک بڑی مثال صلوٰۃ لیل کا معاملہ ہے جسے بہت سے لوگ (خاص طور پر ایرانی اور ہندوستانی / پاکستانی) اب "نماز شب" کے نام سے جانتے ہیں۔ البتہ قرآن یا حدیث میں "نماز شب" کی اصطلاح کا ذکر اس لیے نہیں ہے کہ "نماز شب" فارسی کی اصطلاح ہے، اور حدیث کا ادب عربی میں ہے۔

لہٰذا قرآن و حدیث کی کتب میں نماز شب کو تہجد یا قیام اللیل یا صلاۃ اللیل کہا جاتا ہے۔ لیکن صرف اس وجہ سے کہ نماز شب کی اصطلاح عربی حدیث کی کتب میں کہیں بھی نہیں ملتی ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ نماز شب بدعت ہے۔ صرف ایک بات یہ ہے کہ عہد نبوی میں اسے نماز شب نہیں کہا جاتا تھا، کم از کم عرب میں تو نہیں۔ اس کے بجائے اسے تہجد یا قیام اللیل یا صلاۃ لیل کہا جاتا تھا۔

اسی طرح تراویح وہ نام ہے جو لوگوں نے رمضان المبارک میں عام طور پر جماعت میں ادا کی جانے والی قیام اللیل (رات کی نماز) کو دیا ہے۔

تراویح قیام اللیل کی ایک شکل ہے۔ یہاں تک کہ شیعہ علماء کا خیال ہے کہ شہر رمضان کی راتوں میں قیام کرنا انتہائی مستحسن عبادت ہے۔ شیعہ اور سنی کے درمیان اختلاف صرف اس مسئلہ پر ہے کہ اسے گھر میں (خفیہ) کیا جائے یا مسجد میں جماعت کے ساتھ۔

مکالمے اور بحث کے آغاز کے لیے منظر کا تعین:

یہ شعبان کی آخری رات تھی اور سب لوگ رمضان المبارک کے بابرکت مہینے کے آغاز کی تیاریاں کر رہے تھے۔ ابو ظہبی میں ایک امیر تاجر الحاج ابراہیم نوری کے گھر پر لوگ رات کے کھانے کے لیے جمع تھے۔ چند اسکالرز جو یو اے ای میں شہر رمضان کے لیے لیکچر دینے کے لیے پہنچے تھے، کو عشائیہ میں مدعو کیا گیا تھا، اور ان میں بہت سے مذہبی رجحان رکھنے والے نوجوان بھی تھے۔ الحاج نوری چاہتے تھے کہ ان نوجوانوں کو اہل علم کے ساتھ آزادانہ بات چیت کرنے کا موقع ملے تاکہ ان کے علم سے استفادہ کیا جا سکے اور ان کے سوالات کے جوابات مل سکیں۔

مکالمے میں شامل مرکزی کردار:

مولانا سید آفتاب عباس القمی- لکھنؤ سے تعلق رکھنے والے شیعہ عالم، جو گذشتہ سات سالوں سے قم میں مقیم ہیں اور تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ سید محمد کاظم النجفی- ایک بزرگ شیعہ عالم جو گزشتہ اکتیس سال سے حوزہ نجف سے وابستہ ہیں۔ اس طرح، انہیں آیت اللہ سید ابو القاسم الخوئی، آیت اللہ سید علی سیستانی، آیت اللہ محمد سعید الحکیم، جیسے دوسرے اساتذہ کے ساتھ تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملا ہے۔ ان کی دلچسپی اور تخصص کا بنیادی شعبہ علم رجال ہے- وہ سائنس جو حدیث کے راویوں کی معتبریت کے ساتھ ساتھ ان کی روایتوں کی صداقت کو جانچنے سے متعلق ہے۔

حجۃ الاسلام آغا شیخ رضا مہدوی- وہ ایک ایرانی عالم ہیں جنہوں نے قم میں 18 سال گزارے ہیں، اور آیت اللہ زنجانی اور آیت اللہ شیخ جعفر سبحانی کے ساتھ علم رجال کی تعلیم بھی حاصل کی ہے۔

جعفر رضا جعفری- ایک 25 سالہ شیعہ نوجوان جو بین المذاہب اور بین المذاہب مکالمے کے ساتھ ساتھ مقامی شیعہ نوجوان برادری کی سربراہ بھی ہے۔

مہدیہ جعفری- ایک 23 سالہ شیعہ لڑکی۔ وہ جعفر رضا جعفری کی بہن ہیں، اور فارمیسی میں اپنی تعلیم حاصل کر رہی ہیں۔

پر تعیش عشائیہ کے بعد مولانا سید آفتاب عباس القمی سے مختصر گفتگو کرنے کی درخواست کی گئی اور وہاں موجود دو دیگر علماء سے خطاب کی اجازت لینے کے بعد انہوں نے اپنی تقریر کا آغاز کیا اور حاضرین کو شہر رمضان کی اہمیت اور احکام کے متعلق یاد دہانی کرائی۔

مختصر لیکچر کے بعد سب بیٹھے علماء سے سوالات کر رہے تھے۔ لوگ ایک دوسرے کو افطار کی دعوت دے کر اس بابرکت مہینے میں شیعہ اور سنی کے درمیان خلیج کو ختم کرنے کے مواقع پر تبادلہ خیال کر رہے تھے۔ جعفر رضا جعفری نوجوانوں کے ایک گروپ کے ساتھ آئے اور مولانا سید آفتاب عباس القمی کے سامنے بیٹھ گئے، جو ان کے ساتھ بیٹھے ہوئے دو دیگر علمائے کرام یعنی علامہ سید محمد کاظم النجفی اور آغا مہدوی سے گہری گفتگو میں مصروف تھے۔

نوجوانوں کو دیکھ کر ان کی طرف متوجہ ہوئے، اور ان سے پوچھا: تو ماشاءاللہ، آپ لوگ تیار ہو گئے؟ شہر رمضان کے لیے؟

نوجوانوں نے مسکرا کر سر ہلایا۔

جعفر رضا جعفری نے پھر کہا: "میں نے اور میرے دوستوں نے اس شہر رمضان کے لیے بہت سی اچھی سرگرمیوں کا منصوبہ بنایا ہے۔ ہم ہمیشہ کچھ خیراتی تقریبات منعقد کرنا پسند کرتے ہیں، غریب اور کم نصیب لوگوں کے لیے افطار، اور انشاءاللہ، ہم اس سال اس میں زیادہ سے زیادہ کریں گے، انشاءاللہ۔ ساتھ ہی مجھے آپ کو یہ بتاتے ہوئے خوشی ہو رہی ہے کہ میں نے اس مہینے میں نے اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ تراویح کی نماز پڑھنے کا فیصلہ کیا ہے۔"

اچانک ہال میں چند سیکنڈ کے لیے عجیب سی خاموشی چھا گئی۔

اس سے پہلے کہ مولانا کوئی جواب دیتے، **مہدیہ جعفری**، جو اپنے لیپ ٹاپ پر لیکچر کی ریکارڈنگ انٹرنیٹ پر اپ لوڈ کر رہی تھی، چیخ کر بولی: "آپ مجھ سے مذاق کر رہے ہیں، جعفر بھائی، براہ کرم مجھے بتائیں کہ کیا آپ سنجیدہ ہیں؟"

جعفر: نہیں، میں سنجیدہ ہوں۔ میرے خیال میں اہل سنت سے تعلق رکھنے والے اپنے بھائیوں کے ساتھ اتحاد اور بھائی چارے کے جذبات کو فروغ دینے کا یہ ایک بہترین طریقہ ہو گا۔ میرا مطلب ہے کہ اگر ہم ان کے ساتھ واجب نماز پڑھ سکتے ہیں تو ہم ان کے ساتھ قیام کیوں نہیں کر سکتے، خاص طور پر اس سے زیادہ اتحاد پیدا ہو گا۔

مہدیہ: اوہ اب یہ کیا ہے؟ اتحاد کا مطلب یہ نہیں کہ ہم اپنی شناخت بھول جائیں اور اپنے اصولوں پر سمجھوتہ کر لیں۔ ہم شیعہ ہیں اور تراویح عمر بن خطاب نے شروع کی ہے۔ میں سب اتحاد اور بھائی چارے کے لیے متفق ہوں جو آپ کہہ رہے ہیں، لیکن نماز تراویح تو بہت دور کی بات ہے، کیا میں ٹھیک ہوں مولانا؟

نوجوان سوالیہ نظروں سے مولانا کی طرف متوجہ ہوئے لیکن مولانا اتحاد کے لیے اس حد تک جانے کو تیار نہ تھے۔ وہ سینئر مہدیہ سے اتفاق کرتا تھا، لیکن اس نے زیادہ پر سکون اور کنٹرول والے انداز میں جواب دینے کا انتخاب کیا۔

انہوں نے جعفر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: میرے پیارے بھائی، میں آپ کی بہن کو صحیح سمجھتا ہوں،

میں اس بات سے انکار نہیں کرتا کہ ہمارے ائمہ علیہم السلام نے متعدد مستند روایات میں ہمیں مسلمانوں کے ساتھ نماز ادا کرنے کی تاکید کی ہے، لیکن جب تراویح کی بات آتی ہے۔ اس میں شرعی (فقہی) مسائل ہیں، اس لیے شیعوں کے لیے اس نماز میں جانا جائز نہیں ہے۔

جعفر نے جواب دیا: "مولانا، پورے احترام کے ساتھ، میں نے اس پر اپنا ہوم ورک کیا ہے اور یہ فیصلہ کرنے سے پہلے کافی تحقیق کی ہے۔ میری تحقیق سے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اہل سنت کے ساتھ تراویح پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ آخر کار یہ صرف ایک عبادت ہے جو اللہ کی رضا کے حصول کے لیے جماعت کے ساتھ کی جاتی ہے۔ میں نے جو تحقیق کی ہے اس کی روشنی میں مجھے اس میں کوئی دشواری نظر نہیں آتی۔

اس پر **آغا شیخ رضا مہدوی** (ایرانی اسکالر) جو مولانا سید آفتاب عباس کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، ہلکے سے ہنسے اور نرم لہجے میں کہا: "تحقیق؟ کیا تحقیق؟ آپ یہاں تحقیق نہیں کر سکتے! میں ویکیپیڈیا پر چند مضامین پڑھنے کو ریسرچ نہیں کہتا۔ صحیح تحقیق حوزہ میں کی جاتی ہے، جہاں ہمارے اساتذہ نے اپنی زندگی دین کی تحقیق میں صرف کی ہے، اور آپ سمجھتے ہیں کہ آپ نے ان سے بہتر مذہب کو سمجھا ہے؟"

مولانا سید آفتاب نے بات جاری رکھی، "اس کے پاس ایک نکتہ ہے۔"

"جعفر، مجھے بتاؤ، کیا تم نے کلاسیکی عربی گرامر کا مطالعہ کیا ہے؟ کیا آپ نے اصول الفقہ پڑھا ہے؟ کیا آپ نے منطق کا مطالعہ کیا ہے؟ کیا آپ نے علم الحدیث اور درایت کا مطالعہ کیا ہے؟ کیا آپ نے وہ تمام علوم پڑھے ہیں جن کا مطالعہ ایک مجتہد فتویٰ دینے کے لیے کرتا ہے؟

جعفر نے شرمندگی محسوس کی اور جواب دیا کہ نہیں، میں نے یہ سب کچھ نہیں پڑھا، لیکن میں نے دونوں فریقوں کے دلائل کا مطالعہ کیا ہے، اور میں نے اس مسئلہ سے متعلق احادیث پڑھی ہیں، اور مجھے لگتا ہے کہ تراویح میں شرکت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ نوجوان نے کچھ اعتماد حاصل کرتے ہوئے کہا، "میں آپ سے مولانا سے پوچھتا ہوں، کیا آپ عیسائیت میں تثلیث کے تصور کو مسترد کرتے ہیں؟"

مولانا نے جواب دیا: "اس کا تراویح پر ہماری بحث سے کیا تعلق؟"

جعفر: میں آپ کو ایک لمحے میں بتاؤں گا۔ لیکن پہلے صرف میرے سوال کا جواب دیں۔

مولانا: ٹھیک ہے، ہاں میں اس تصور کو مسترد کرتا ہوں کیونکہ یہ شرک ہے!

جعفر: تو آپ تسلیم کرتے ہیں کہ آپ تثلیث کے عیسائی تصور کو مسترد کرتے ہیں۔ پھر بھی، میں متجسس ہوں، کیا آپ نے کبھی بائبل پڑھی ہے؟

مولانا: میں نے اس کے کچھ حصے پڑھے ہیں۔

جعفر: "اس کے کچھ حصے پڑھیں؟" کیا آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ نئے عہد نامے کے قدیم ترین نسخے یونانی زبان میں ہیں، انگریزی میں نہیں۔ کیا آپ نے یونانی تعلیم حاصل کی ہے؟ کیا آپ نے غیر بائبلی عیسائی لٹریچر کا مطالعہ کیا ہے؟ کیا آپ نے تمام اسفار محرفہ کا مطالعہ کیا ہے؟ کیا آپ نے بائبل کی تمام مختلف تفسیروں کا مطالعہ کیا ہے؟ آپ عیسائیت پر اتنی آسانی سے تبصرہ کیسے کر سکتے ہیں اور نئے عہد نامہ کی اصل زبان کو جانے بغیر اور دیگر اہم نصوص کو پڑھے بغیر ان کے مرکزی عقائد میں سے ایک پر رائے کیسے دے سکتے ہیں؟ مجھے ایک بات بتائیں؟ کیا حوزہ میں آپ کے اساتذہ تثلیث کو غلط عقیدہ مانتے ہیں؟"

مولانا: بالکل، وہ کرتے ہیں۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو وہ مسلمان نہ ہوتے؟

جعفر: کیا آپ حوزہ میں اپنے اساتذہ کو اس قابل سمجھتے ہیں کہ وہ تثلیث جیسے عقیدہ کے بارے میں فیصلے اور رائے دیں؟

مولانا: یقیناً وہ اہل ہیں کیونکہ وہ عالم ہیں۔

جعفر: لیکن کیا انہوں نے کبھی نئے عہد نامہ کا اصل یونانی میں مطالعہ کیا ہے؟ کیا وہ یونانی گرامر کی باریکیوں سے واقف ہیں؟ کیا انہوں نے کسی عیسائی مذہبی مدرسے میں تعلیم حاصل کی ہے اور عیسائیت کے اعلیٰ علماء سے براہ راست سیکھا ہے؟

مولانا: نہیں، ان کے پاس نہیں ہے۔ میرے اکثر اساتذہ کبھی بھی ایران سے باہر نہیں رہے ہیں۔

جعفر: اگر وہ عیسائی حوزہ یعنی مدرسے میں نہیں گئے ہیں تو پھر وہ عیسائی عقیدے پر تبصرہ کرنے کے کیسے اہل ہیں؟ یہ جاننے کے لیے کہ تثلیث ایک غلط عقیدہ ہے، آپ کو ایک باوقار عیسائی تعلیمی ادارے میں عیسائیت کا مطالعہ کرنے اور تمام عیسائی علوم کے ماہر بننے کی ضرورت نہیں ہے! یہ بنیادی کامن سینس کا معاملہ ہے۔ خدا بیک وقت تین اور ایک نہیں ہو سکتا۔

جعفر: بالکل وہی جو مجھے امید تھی کہ آپ کہیں گے۔ پھر بھی دوسری طرف جب ہماری گفتگو کی بات آتی ہے تو آپ سمجھتے ہیں کہ میرا اپنی فکری صلاحیتوں کو دینی مسائل پر لاگو کرنا درست نہیں کیونکہ میں نے حوزہ میں تمام اسلامی علوم کا مطالعہ نہیں کیا؟" کیا یہ دوہرا معیار نہیں؟"

ایک لمحے کے لیے ایک عجیب سی خاموشی چھا گئی جیسے **مولانا** کو چپ لگ گئی ہو۔ وہ اس قدر تنقیدی اور دوٹوک ایماندارانہ تجزیہ سننے کے عادی نہیں تھے۔ ایک لمحے کے بعد انہوں نے اپنا حوصلہ بحال کیا اور یہ کہہ کر جواب دیا کہ "ٹھیک ہے، مجھے آپ کی بات سمجھ میں آئی، اور میں نے پہلے جو کہا تھا اسے واپس لے لیتا ہوں کہ آپ تحقیق کرنے کے اہل نہیں ہیں۔ اور اپنی عقل کو ایسے مسائل پر لگائیں۔ آپ کے پاس یقیناً ایک تیز عقل ہے، اور مجھے اس موضوع پر آپ کے ساتھ ایک فکری بحث کرنے میں خوشی ہو گی۔

تراویح ایک بدعت ہے، اور چونکہ آپ نے تحقیق کا ذکر کیا ہے، اس لیے میں آپ کے ساتھ اپنے علمائے کرام کی تحقیق شیئر کروں گا کہ تراویح بدعت کیوں ہے جس میں ہمیں کبھی حصہ نہیں لینا چاہیے؟ مولانا نے اپنا آئی پیڈ نکالا اور فرمایا: میں آپ کو خود اہل سنت کی معتبر احادیث تالیفات سے چند روایات پڑھ کر سنانے جا رہا ہوں اور میں انہی روایات کی مدد سے اپنی بات کو ثابت کروں گا۔

سنی کتب سے ثبوت:

حدیث 1: ”عُروہ بن زُبیر نے اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی للہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک رات حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد میں نماز پڑھی تو لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اگلی رات نماز پڑھی تو لوگ اور زیادہ ہو گئے۔ پھر تیسری یا چوتھی رات بھی لوگ اکٹھے ہوئے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی طرف تشریف نہ لائے۔ جب صبح ہوئی تو فرمایا: جو تم نے کیا میں نے دیکھا لیکن مجھے تمہارے پاس آنے سے صرف یہ خوف مانع تھا کہ کہیں تم پر یہ نمازِ تراویح فرض نہ ہو جائے۔ یہ رمضان المبارک کا واقعہ ہے۔“ **(صحیح بخاری، جلد 3، کتاب 32، نمبر 229)**۔

حدیث 2: زید بن ثابت سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے مسجد میں چٹائی گھیر کر ایک حجرہ بنالیا اور اس میں قیام کرتے رہے، کئی لوگ بھی جمع ہونے لگے (وہ آپ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھا کرتے) ایک رات ایسا ہوا لوگوں نے آپ ﷺ کی آواز بالکل نہ سنی وہ سمجھے آپ ﷺ سو گئے یہ خیال کر کے بعضے لوگ کھنکھارنے لگے تا کہ آپ ﷺ بر آمد ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں تمہارے حال سے واقف ہوا میں اس خیال سے نہ نکلا ایسا نہ ہو کہ (قیام الیل) تم پر فرض ہو جائے پھر تم اس کو نہ بجالا سکو۔ لوگو تم اپنے گھروں میں یہ نماز پڑھ لیا کرو افضل نماز وہی ہے جو اپنے گھر میں ہو ایک فرض نماز مسجد میں پڑھنا افضل ہے۔ **(صحیح بخاری، جلد 8، کتاب 73، نمبر 134)**

حدیث 3: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس نے رمضان المبارک کے پورے مہینے کی راتوں میں ایمان کے ساتھ اور ثواب کی امید کے ساتھ قیام کیا، اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔"

ابن شہاب کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا اور لوگ اسی طرح کرتے رہے (یعنی نوافل انفرادی طور پر ادا کرتے تھے نہ کہ جماعت سے) اور یہ اسی طرح قائم رہا جیسا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت اور عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دنوں میں تھا۔

عبد الرحمٰن بن عبد القاری کہتے ہیں کہ میں رمضان المبارک کی ایک رات عمر بن الخطاب کے ساتھ مسجد میں نکلا تو دیکھا کہ لوگ مختلف گروہوں میں نماز پڑھ رہے ہیں، کوئی آدمی اکیلا نماز پڑھ رہا ہے تو کچھ لوگ مل کر نماز پڑھ رہے ہیں۔ تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرے خیال میں ان لوگوں کو ایک قاری کی امامت میں جمع کرنا بہتر ہے (یعنی انہیں باجماعت نماز ادا کرنے دیں) چنانچہ آپ نے فیصلہ کیا۔ ان کو ابی بن کعب کے پیچھے جمع کرو، پھر ایک اور رات میں دوبارہ ان کے پاس گیا تو لوگ ان کے قاری کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے، اس پر عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ کتنی اچھی بدعت ہے، لیکن وہ

نماز جو وہ ادا نہیں کرتے لیکن اس وقت سوئے رہتے ہیں سے بہتر ہے جو وہ پڑھ رہے ہیں۔'اس سے مراد رات کے آخری حصے میں نماز ہے،(ان دنوں)لوگ رات کے ابتدائی حصے میں نماز پڑھا کرتے تھے۔(صحیح بخاری، جلد 3، کتاب 32، نمبر 227)

ان روایات کو بلند آواز سے پڑھنے کے بعد **مولانا** نے جعفر کی طرف دیکھا اور فرمایا: "صرف سنی کتب کی ان تین روایتوں سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ تراویح خلیفہ ثانی کی بدعت ہے، جیسا کہ وہ خود دوسری روایت میں تسلیم کرتے ہیں۔ آپ کے سامنے پڑھا کہ تراویح ایک بدعت ہے،

جعفر کو یقین تھا، چونکہ اس نے تحقیق کی تھی، چنانچہ اس نے جواب دیا: "ٹھیک ہے، میں نے آپ کی بات سنی، اب کیا آپ مجھے اس کا جواب دینے اور اپنی رائے پیش کرنے کی اجازت دیں گے؟"

مولانا نے جواب دیا: "ہاں، یقیناً، اگرچہ بحث میں بہت کچھ باقی نہیں ہے، لیکن ہم سننا چاہیں گے کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

جواب:

جعفر نے یہ کہتے ہوئے شروع کیا: "ٹھیک ہے، لہذا براہ کرم ذہن میں رکھیں کہ بحث اس بارے میں ہے کہ تراویح "حرام" ہے یا نہیں (چونکہ ہر بدعت حرام ہے)، بحث اس بات پر نہیں ہے کہ تراویح سنت ہے یا نہیں، یا تراویح مکروہ ہے یا نہیں وغیرہ۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ میرا مقصد تراویح کو سنت ثابت کرنا نہیں ہے، بلکہ میرا مقصد صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ تراویح حرام نہیں ہے، جس کا مطلب یہ ہو گا کہ جس طرح تہجد پڑھنا جائز ہے۔ (رات کی نماز) اپنے گھر میں اکیلے پڑھنا، تراویح میں جماعت میں شرکت کرنا بھی جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ یہ مباح ہے، "کم از کم۔ مجھے امید ہے کہ یہ سب کے لئے واضح ہے؟

مولانا نے اثبات میں سر ہلایا اور کہا کہ ہاں ہم آپ کی بات سمجھ گئے، آپ صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ تراویح حرام نہیں ہے، لیکن آپ کا یہ ارادہ نہیں کہ تراویح کو سنت ثابت کریں۔ مجھے سمجھ آگئی، براہ کرم آگے بڑھیں۔"

نوجوان نے کہا: "تو مجھے ہر ایک روایت پر تبصرہ کرنے دو جس کا آپ نے ابھی ذکر کیا ہے، ایک ایک کر کے"۔

حدیث 1 پر تبصرہ:

جہاں تک پہلی حدیث کا تعلق ہے، چونکہ آپ نے اس حدیث کو اپنی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے، اس لیے میرا خیال ہے کہ آپ اس حدیث کو صحیح مانتے ہیں، اس لیے آپ اس کے مواد کو حق مانتے ہیں، اس لیے میں امید کرتا ہوں کہ آپ اس پر اختلاف نہیں کریں گے۔ تفصیل بعد میں۔ اب میں آپ کی توجہ اس حدیث میں تین چیزوں کی طرف دلانا چاہتا ہوں۔

اول تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حقیقت میں مسجد میں قیام کیا تھا اور آپ کے پیچھے جماعت نے نماز پڑھی تھی، خواہ چند دن ہی کیوں نہ ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس قسم کا قیام بدعت نہیں ہو سکتا، کیونکہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار بھی کوئی کام انجام دیں تو آپ اسے بدعت نہیں کہہ سکتے، کیونکہ یہ سنت بن جاتی ہے۔ لیکن بہر حال میرا مقصد یہ ثابت کرنا نہیں ہے کہ تراویح سنت ہے، اس لیے میں اس میں زیادہ گہرائی میں نہیں جاؤں گا۔

دوسری حدیث جو آپ نے نقل کی ہے اس میں غور کرنے کے لائق دوسرا نکتہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ لوگ آپ کے پیچھے جماعت میں شامل ہو رہے ہیں، تین سے چار دن تک مسجد میں اس نماز کو جاری رکھا۔ ہجوم زیادہ ہونے کے بعد ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رک گئے۔ وہ پہلے ہی دن کیوں نہیں رکے جب انہوں نے چھوٹے ہجوم کو دیکھا؟ یہ بات اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ جماعت میں اس نماز کو روکنے کی وجہ یہ نہیں تھی کہ اس نماز میں کوئی خرابی ہے، یا جماعت سے پڑھنے میں کوئی خرابی ہے۔ بلکہ مسئلہ اس کی مقبولیت سے متعلق تھا، کیونکہ اگر جماعت (تراویح) میں رات کی نماز پڑھنا بدعت اور حرام ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم 3-4 دن تک اس عمل کو جاری نہیں رکھتے، بلکہ لوگوں کو اس کی اطلاع پہلے دن دے دیتے کہ یہ نماز مسجد میں جماعت کے ساتھ نہ پڑھی جائے اور یہ چیز ہمیں تیسرے نکتے کی طرف لے جاتی ہے۔

تیسرا نکتہ جس پر غور کرنے کی ضرورت ہے وہ وجہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت میں رات کی نماز ترک کرنے کی دی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ تم کیا کر رہے تھے اور مجھے اس خوف کے سوا کچھ نہیں تھا کہ تم پر یہ نماز فرض ہو جائے، جس نے مجھے تمہارے پاس آنے سے روک دیا۔

پس یہ بات بالکل واضح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت میں اس نماز کو ترک کرنے کی وجہ صرف یہ بیان کی تھی کہ آپ کو اندیشہ تھا کہ یہ نماز فرض ہو جائے گی اور پھر لوگ اس کے ساتھ انصاف نہ کر سکیں گے۔

جوابی سوال:

مولانا نے جعفر کو اس مقام پر روکا اور کہا: "ٹھہرو انتظار کرو، تمہارا آخری نکتہ غیر منطقی ہے، ہم اسے قبول نہیں کرتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا خوف کیوں ہو گا کہ اگر لوگ باقاعدگی اور شوق سے ادا کریں تو یہ نماز فرض ہو جائے گی؟ کیا آپ کو لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے اعمال کی بنیاد پر کسی چیز کو واجب یا ناجائز کر دے گا؟ اگر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کسی نماز کو فرض کرنا چاہتا ہے تو وہ لوگوں کے اعمال سے بے نیاز ہے، اور اگر وہ کسی چیز کو حرام کرنا چاہتا ہے تو لوگوں کے اعمال کی پرواہ کیے بغیر کرے گا، مختصر یہ کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے فیصلے لوگوں کے اعمال کی بنیاد پر نہیں ہوتے۔"

جوابی سوال کاجواب:

جعفر نے جواب دیا: "مجھے معلوم تھا کہ آپ کا یہ جواب آنے والا ہے، اسی لیے میں نے شروع میں کہا تھا کہ چونکہ آپ نے اس حدیث کو ہمارے خلاف اپنی دلیل کے طور پر استعمال کیا ہے، اس لیے میرا خیال ہے کہ آپ اس حدیث کو صحیح سمجھتے ہیں، اس لیے اس کے مواد کو سچ مانتے ہیں، اور آپ بعد میں اس کی تفصیلات پر اختلاف نہیں کریں گے۔

لیکن حیرت انگیز طور پر، آپ نے بالکل وہی کیا جس کی میں توقع کر رہا تھا۔ تو میرے پاس آپ کے اٹھائے گئے نکات کے دو جواب ہیں۔ آیئے قرآن سے پوچھتے ہیں کہ کیا اللہ تعالیٰ لوگوں کے اعمال کی بنا پر چیزوں کو واجب یا ناجائز قرار دیتا ہے یا نہیں؟

جواب 1:

سب سے پہلے، اگر آپ حدیث کے اس حصے کو رد کرتے ہیں، تو اس کا مطلب ہے کہ حدیث آپ کے نزدیک صحیح نہیں، تو پھر آپ اس حدیث کو اپنی بات کو ثابت کرنے کے لیے کیسے استعمال کر سکتے ہیں؟ کیا آپ صرف حدیث کا وہ حصہ مانتے ہیں جو آپ کی بات کے مطابق ہے اور جو حصہ آپ کی بات کے مطابق نہیں ہے اسے رد کر دیں؟ آپ کے لیے حدیث کو اپنے فائدے کے لیے استعمال کرنا درست نہیں، لیکن جب ہم وہی حدیث استعمال کرتے ہیں تو اچانک حدیث میں مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہر کوئی اس بات سے اتفاق کرے گا کہ یہ دوہرا معیار ہے اور یہ سچائی کے مخلص متلاشی کو زیب نہیں دیتا۔

مہدیہ: مولانا، میرے بھائی کو معاف کر دیں، وہ کبھی کبھی بہت آزادانہ طور پر اپنے دل کی بات کہہ دیتے ہیں، لیکن مجھے یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ مجھے ان کی بات منطقی لگتی ہے۔

مولانا: مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ ہم ایک کھلی بحث کر رہے ہیں، اور میں چاہتا ہوں کہ اگر آپ کو لگتا ہے کہ میں غلط ہوں تو آپ کہہ سکتے ہیں۔ میں معصوم نہیں ہوں۔

مہدیہ: یہ آپ کی بہت مہربانی ہے مولانا

جواب2:

جعفر نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا: برائے مہربانی مولانا، میرا کسی کی بے عزتی کا ارادہ نہیں ہے۔ لیکن آپ جو کہہ رہے ہیں اس میں میرے کچھ سنجیدہ مسائل ہیں، اس لیے اگر آپ مجھے آزادانہ اور بغیر کسی خوف کے اپنے خدشات بیان کرنے کی اجازت دیں تو میں آپ کا شکر گذار رہونگا تعریف کروں گا۔

مولانا: براہ کرم آگے بڑھیں۔

جعفر: شکریہ مولانا، میں آپ کا شکر گذار ہوں۔ اب جہاں تک آپ کی بات ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے فیصلے ہمارے اعمال پر مبنی نہیں ہیں۔ ٹھیک ہے، اول تو کوئی بھی کسی چیز کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نظر سے نہیں سمجھ سکتا، کیونکہ اگر ہم ایسا کرنے کی کوشش کریں گے تو ہم حیران اور الجھن میں پڑ جائیں گے۔ اگر ہم آپ کی منطق پر چلیں تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا کرنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ میری وجہ سے اپنا فیصلہ نہیں بدلے گا۔ لیکن یہ سوچ غلط ہے کیونکہ ہمیں چیزوں کو اللہ تعالی کے نقطہ نظر سے دیکھنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے، بلکہ ہمیں انہیں انسانی نقطہ نظر سے دیکھنا چاہیے، کیونکہ ہم صرف اتنا ہی کر سکتے ہیں، اور انسانی نقطہ نظر سے۔ اللہ تعالی کے فیصلے ہمارے اعمال سے متاثر ہوتے نظر آتے ہیں، براہ کرم نوٹ کریں کہ میں کہہ رہا ہوں "وہ متاثر ہوتے ہیں"، کوئی نہیں جانتا کہ الٰہی فکر کا عمل کیا ہے- اظہار کو معاف کریں- لیکن میرا مطلب کیا ہے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم خدا کے ذہن کو نہیں پڑھ سکتے اور نہ ہی ہم چیزوں کو اللہ تعالیٰ کے نقطہ نظر سے دیکھ سکتے ہیں۔ اب میں اپنی بات کو واضح کرنے کے لیے قرآن سے تین مثالیں دیتا ہوں۔

مثال 1:

پہلے **اللہ تعالی** 1 مسلمان کو دوسری طرف سے 10 سے لڑنے کا حکم دیتا ہے پھر اسے بدل دیتا ہے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ حَرِّضِ ٱلْمُؤْمِنِينَ عَلَى ٱلْقِتَالِ ۚ إِن يَكُن مِّنكُمْ عِشْرُونَ صَٰبِرُونَ يَغْلِبُوا۟ مِا۟ئَتَيْنِ ۚ وَإِن يَكُن مِّنكُم مِّا۟ئَةٌ يَغْلِبُوٓا۟ أَلْفًا مِّنَ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ – ۔الانفال 65

اے نبی (مکرّم!) آپ ایمان والوں کو جہاد کی ترغیب دیں، اگر تم میں سے (جنگ میں) بیس (20) ثابت قدم رہنے والے ہوں تو وہ دو سو (200 جنگ جُو کفار) پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں سے (ایک) سو (ثابت قدم) ہوں گے تو (جارِح) کافروں میں سے (ایک) ہزار پر غالب آئیں گے اِس وجہ سے کہ وہ سمجھ نہیں رکھتے

لیکن اس حکم سے بہت سے صحابہ خوف زدہ ہو گئے اور اگرچہ وہ ایسا نہیں کر سکتے تو **اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے** اپنے حکم میں ردوبدل کرتے ہوئے فرمایا:

الْآنَ خَفَّفَ اللَّهُ عَنكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا ۚ فَإِن يَكُن مِّنكُم مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ ۚ وَإِن يَكُن مِّنكُمْ أَلْفٌ يَغْلِبُوا أَلْفَيْنِ بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ۔ الانفال66

اب اللہ نے تم سے (اپنے حکم کا بوجھ) ہلکا کر دیا اسے معلوم ہے کہ تم میں (کسی قدر) کمزوری ہے سو (اب تخفیف کے بعد حکم یہ ہے کہ) اگر تم میں سے (ایک) سو (آدمی) ثابت قدم رہنے والے ہوں (تو) وہ دو سو (کفار) پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں سے (ایک) ہزار ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے دو ہزار (کافروں) پر غالب آئیں گے، اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے

ہم دیکھتے ہیں کہ لوگوں کے عمل کی بنیاد پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنا حکم بدل دیا، پہلے اس نے ایک سپاہی کو حکم دیا کہ وہ 10 سپاہیوں کو سنبھالے، پھر اس نے ایک سپاہی کو حکم دیا کہ وہ دوسری طرف کے 2 سپاہیوں کو سنبھالے۔ اللہ تعالیٰ نے بعض صحابہ کی کمزوری کی بنیاد پر اپنا حکم بدل دیا۔

مثال 2:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات سے پہلے صدقہ دینے کے بارے میں اپنا حکم بدل دیتا ہے۔

يا أَيُّهَا الَّذينَ آمَنوا إِذا ناجَيتُمُ الرَّسولَ فَقَدِّموا بَينَ يَدَي نَجواكُم صَدَقَةً ۚ ذٰلِكَ خَيرٌ لَكُم وَأَطهَرُ ۚ فَإِن لَم تَجِدوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفورٌ رَحيمٌ۔ المجادله 12

اے ایمان والو! جب تم رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کوئی راز کی بات تنہائی میں عرض کرنا چاہو تو اپنی رازدارانہ بات کہنے سے پہلے کچھ صدقہ وخیرات کر لیا کرو، یہ (عمل) تمہارے لئے بہتر اور پاکیزہ تر ہے، پھر اگر (خیرات کے لئے) کچھ نہ پاؤ تو بیشک اللہ بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے 12-58

اس کے نتیجے میں صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرنا تقریباً ترک کر دیا کیونکہ انہیں ہر بار صدقہ کرنا مشکل معلوم ہوتا تھا، روایات کے مطابق صرف ایک شخص جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرتا رہا وہ امام علی علیہ السلام تھے۔ **اللہ پاک** نے اس ذمہ داری کو ہٹا دیا اور کہا:

أَأَشفَقتُم أَن تُقَدِّموا بَينَ يَدَي نَجواكُم صَدَقاتٍ ۚ فَإِذ لَم تَفعَلوا وَتابَ اللَّهُ عَلَيكُم فَأَقيمُوا الصَّلاةَ وَآتُوا الزَّكاةَ وَأَطيعُوا اللَّهَ وَرَسولَهُ ۚ وَاللَّهُ خَبيرٌ بِما تَعمَلونَ۔ المجادله 13

کیا(بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں)تنہائی وراز داری کے ساتھ بات کرنے سے قبل صدقات وخیرات دینے سے تم گھبرا گئے؟ پھر جب تم نے(ایسا)نہ کیااور اللہ نے تم سے باز پرس اٹھالی(یعنی یہ پابندی اٹھادی)تو(اب)نماز قائم رکھواور زکوٰۃ ادا کرتے رہواور اللہ اور اُس کے رسول(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)کی اطاعت بجالاتے رہو،اور اللہ تمہارے سب کاموں سے خوب آگاہ ہے۔(المجادلہ 13)

ایک بار پھر ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے لوگوں کے اعمال کی بنیاد پر اپنا حکم بدل دیا۔

مثال 3:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہودیوں پر ان کے غلط کاموں کی وجہ سے کچھ اچھی،پاکیزہ اور حلال چیزیں حرام کر دیں۔

فَبِظُلمٍ مِنَ الَّذينَ هادوا حَرَّمنا عَلَيهِم طَيِّباتٍ أُحِلَّت لَهُم وَبِصَدِّهِم عَن سَبيلِ اللَّهِ كَثيرًا۔النساء 160

پھر یہودیوں کے ظلم ہی کی وجہ سے ہم نے ان پر(کئی)پاکیزہ چیزیں حرام کر دیں جو(پہلے)ان کے لئے حلال کی جاچکی تھیں،اور اس وجہ سے(بھی)کہ وہ(لوگوں کو)اللہ کی راہ سے بکثرت روکتے تھے-(النساء4)

وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۭ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۡ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۔الانعام 146

اور یہودیوں پر ہم نے ہر ناخن والا(جانور)حرام کر دیا تھااور گائے اور بکری میں سے ہم نے ان پر دونوں کی چربی حرام کر دی تھی سوائے اس(چربی) کے جو دونوں کی پیٹھ میں ہو یا اوجھڑی میں لگی ہو یا جو ہڈی کے ساتھ ملی ہو۔یہ ہم نے ان کی سرکشی کے باعث انہیں سزا دی تھی اور یقیناہم سچے ہیں- (الانعام-146)

جیسا کہ ہم دیکھ سکتے ہیں،بعض مواقع ایسے ہوتے ہیں جب ایسا لگتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے اعمال کی بنیاد پر کوئی حکم دیا ہے۔اس لیے ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خلوص دل سے اندیشہ ہو کہ اگر لوگ رات کی نماز جماعت(تراویح)میں باقاعدگی سے شریک ہوں تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان پر فرض کر دے گا۔مجھے امید ہے کہ یہ اب آپ کو سمجھ میں آئے گا۔

مولانا: ٹھیک ہے،میں قبول کرتا ہوں کہ آپ نے جو ذکر کیا ہے وہ بھی ایک امکان ہے۔

جعفر: "جیسا کہ ہم نے واضح کیا ہے کہ حدیث نمبر 1 سے کسی بھی طرح یہ ثابت نہیں ہوتا کہ تراویح بدعت ہے یا حرام،در حقیقت،اگر کچھ ہے،تو یہ ثابت کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مسجد میں ادا کیا اور لوگوں نے آپ کے پیچھے باجماعت نماز ادا کی،اگر یہ غلط ہوتا تو رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم پہلے دن ہی صحابہ کو رکنے کا حکم دیتے۔ مزید بر آں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی واضح وجہ بتائی کہ آپ نے یہ نماز جماعت میں کیوں ادا نہیں کی اور اس وجہ سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ آپ نے ایسا اسلئے کیا کیونکہ اس طریقے سے نماز پڑھنا حرام تھا۔"

شیعہ کتب میں اسی طرح کی حدیث کا ذکر ہے۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ آپ حدیث کی سنی کتب کا حوالہ دیتے ہیں لیکن شیعہ کتب حدیث سے حوالہ نہیں دیتے۔ تہذیب الاحکام، جلد 3، باب 4، احادیث 3337 تا 3367 میں بھی ایسی ہی روایات مذکور ہیں، جن میں کہا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لاتے اور جب مجمع بڑھ جاتا تو اپنے گھر تشریف لے جاتے، اور پھر جب مجمع کم ہو جاتا تھا تو مسجد میں واپس آتے، اور سنی حدیث کے برعکس، یہ روایتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل کو تین سے چار دن تک محدود نہیں کرتیں۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ جب کہ سنی کتب میں یہ ذکر ہے کہ یہ عمل جس کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں صلاۃ القیام کے لیے نکلتے تھے اور لوگ آپ کے پیچھے جمع ہوتے تھے 3 سے 4 دن تک ہمارے پاس روایات کا ایک سلسلہ ہے۔ ہماری شیعہ کتب میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلسل اور بار بار مسجد میں قیام کیا، اپنے پیچھے جماعت کے ساتھ۔ اور روایات نے "میر اران" کی اصطلاح استعمال کی ہے، یعنی بار بار، یہ بتانے کے لیے کہ پیغمبرؐ نے صرف ایک یا دو بار جماعتی قیام کی امامت نہیں کی، بلکہ کئی بار، بار بار۔۔۔

سنی حدیث میں 3-4 دنوں کا ذکر کرنے کی وجہ شاید یہ ہے کہ یہ روایت عائشہ نے نقل کی ہے، اور انہیں صرف ان دنوں اور راتوں کا علم تھا جو آپ نے ان کے ساتھ گزارے تھے۔ ہم جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادہ ازواج مطہرات تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سارا وقت ایک بیوی کے ساتھ نہیں گزارا تھا، لہٰذا عائشہ صرف وہی جانتی تھیں جو انہوں نے دیکھا تھا۔ لیکن اہل بیت علیہم السلام کے ائمہ جو غالباً سنت نبوی کا زیادہ علم رکھتے تھے، نے گواہی دی۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت میر اران میں قیام کیا، یعنی بار بار، کئی بار۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس نماز کو مسجد میں باجماعت ادا کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ یہ سنت بھی ہے۔ میں یہ ضمنی نوٹ کے طور پر کہتا ہوں کیونکہ جیسا کہ میں نے پہلے ذکر کیا ہے کہ میرا مقصد یہ ثابت کرنا نہیں کہ یہ سنت ہے یا نہیں، بلکہ میرا مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ یہ جائز ہے۔

حدیث 2 پر تبصرہ:

آیئے اب دوسری حدیث پر تبصرہ کرتے ہیں جو آپ نے بطور ثبوت بیان کی ہے۔ دوسری حدیث بھی پہلی حدیث سے ملتی جلتی ہے، اس لیے ہمیں اس میں کچھ اضافہ کرنے کی ضرورت نہیں، سوائے چند نکات کے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ نفل نماز گھر میں پڑھی جائے، مسجد میں نہیں۔ یہ نکتہ اس روایت کو مشکوک بتاتا ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود مسجد میں رات کی نماز پڑھ رہے تھے، اور ہمارے پاس شیعہ کتب احادیث

میں بہت سی روایات موجود ہیں جو ہمیں بتاتی ہیں کہ ائمہ معصومین علیہم السلام رات کو سو رکعت پڑھتے تھے۔ مسجد میں ہم خود اپنی مسجد میں دیکھتے ہیں کہ فرض نماز کے بعد لوگ کھڑے ہو کر نفل نماز پڑھتے ہیں اور اس پر کسی عالم نے سوال نہیں کیا۔

حدیث نمبر3 پر تبصرہ:

تیسری حدیث جو آپ نے نقل کی ہے، میں آپ کی توجہ 3 نکات کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں، سب سے پہلے جب عبد الرحمٰن بن عبد القاری اور عمر بن الخطاب مسجد میں داخل ہوئے تو وہاں پہلے سے ہی لوگ قیام الیل کی نماز مسجد میں ادا کر رہے تھے، اور چھوٹے گروہوں میں بھی۔ لہٰذا نہ تو مسجد میں صلاۃ الیل پڑھنا عمر کی بدعت تھی اور نہ ہی جماعت میں نماز پڑھنا ان کی بدعت تھی، کیونکہ لوگ ابو بکر کے دور خلافت میں اور عمر کی خلافت کے ابتدائی دور میں بھی ایسا کر رہے تھے۔

تو شیعہ کیسے دعویٰ کر سکتے ہیں کہ تراویح عمر بن خطاب کی بدعت ہے؟

مہدیہ: ایک سیکنڈ ٹھہرو؟ اگر یہ عمر رضی اللہ عنہ کی بدعت نہیں تھی تو پھر اسی روایت میں "کتنی عمدہ بدعت" کیوں کہتے ہیں؟ کیا آپ کو نظر نہیں آتا کہ عمر نے خود اعتراف کیا کہ یہ بدعت تھی؟

جعفر: اس کا جواب یہ ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے صرف ایک نیا کام کیا تھا کہ وہ ان کو ایک امام کے پیچھے ایک بڑی جماعت میں جمع کر دیا، جبکہ اس سے پہلے وہ مختلف چھوٹے گروہوں میں نماز پڑھتے تھے، اور اسی عمل کو انہوں نے بدعت کہا، اور وہ بھی لسانی معنی میں، شرعی معنوں میں نہیں، کیوں کہ لسانی معنوں میں "بداہ" کا مطلب ہے "کوئی نئی چیز"، جب کہ دینی معنوں میں اس کا مطلب مذہب میں کوئی نئی چیز شامل کرنا ہے اور وہ حرام ہے، لیکن لسانی معنوں میں یہ ہ حرام نہیں ہے ورنہ گاڑیاں اور فریج حرام ہو جائیں گے کیونکہ یہ سب جدید ایجادات اور اختراعات ہیں۔ اس طرح آپ کو سمجھنے کی ضرورت یہ ہے کہ لوگ پہلے ہی چھوٹے چھوٹے گروہوں میں مختلف اماموں کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے۔ مولانا نے جو روایتیں نقل کی ہیں ان کے مطابق عمر نے یہ کیا کہ تمام چھوٹے گروہوں کو ایک بڑی جماعت میں جمع کر دیا تاکہ وہ متعدد اماموں کے بجائے ایک امام کے پیچھے نماز پڑھ سکیں، اور اسی انتظامی فیصلے کو انہوں نے "اچھی بدعت" قرار دیا۔ اور ہم متفق ہیں، یہ ایک اچھی اختراع ہے (لسانی طور پر)۔ اس لیے وہ نماز کو بدعت نہیں کہہ رہے تھے کیونکہ نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے چلی آ رہی تھی، بلکہ تمام مختلف جماعتوں کو ایک ہی امام کے پیچھے ایک یکساں جماعت میں جمع کرنے کے اپنے انتظامی فیصلے کو ایک اچھی بدعت قرار دیا۔ اور ہم اس سے اتفاق کرتے ہیں کہ یہ ایک دانشمندانہ فیصلہ تھا، کیونکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ تھے تو اسی طرح قیام کیا گیا تھا۔ صحابہ کرام ایک امام کے پیچھے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ایک بڑے گروہ کی طرح نماز پڑھتے تھے اور مختلف اماموں کے پیچھے کئی چھوٹے گروہوں کی طرح نہیں پڑھتے تھے جیسا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کرنا شروع کر دیا تھا۔ کوئی نئی چیز ایجاد کرنے کی بجائے چیزوں کو اس طرح لوٹا دیا جس طرح وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھیں۔

مہدیہ: لیکن ایسا نہیں ہو سکتا۔ ان تمام سالوں میں ہمارے بزرگوں اور علماء نے ہمیں بتایا ہے کہ تراویح عمر کی بدعت ہے۔ یہ سب کیسے غلط ہو سکتے ہیں؟

جعفر: اگر سب لوگ اس طرزِ استدلال کو اپنانا شروع کر دیں تو کوئی غیر مسلم کبھی اسلام قبول نہیں کرے گا اور کوئی منحرف شخص کبھی راہ راست پر نہیں آئے گا۔ ہمیں یہ نہیں دیکھنا چاہیے کہ ہمارے ارد گرد رہنے والے کیا کہتے ہیں۔ ہمیں یہ دیکھنا ہو گا کہ ثبوت کیا کہتے ہیں۔ قرآن ہمیں یہی سکھاتا ہے۔

جعفر: مولانا شکریہ۔ میرا سوال یہ ہے کہ اس کے بارے میں کہ "آدمی اپنے پیچھے ایک چھوٹی جماعت کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہے۔" اگر دو کی تعداد ہو (نماز جماعت کے لیے کم از کم دو افراد درکار ہوتے ہیں) تو آپ لوگوں کے ایک چھوٹے گروہ کے ایک امام کے پیچھے نماز پڑھنے کے بارے میں کیا کہیں گے؟ آپ کہتے ہیں کہ وہ صلاۃ القیام فرادا (اکیلے) پڑھ رہے تھے؟ کیا ہم یہ نہیں کہیں گے کہ وہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے؟ یہ وہ منظر تھا جب عمر رضی اللہ عنہ اپنے ساتھی کے ساتھ مسجد میں داخل ہوئے، میرے خیال میں ہم شیعہ ہیں۔ ہماری اندھی نفرت اس قدر اندھی ہو گئی کہ ہم ٹھیک سے یہ بھی نہیں دیکھ سکے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے پہلے کیا کیا تھا، انہوں نے قیام کو تبدیل نہیں کیا۔ ایک انفرادی عبادت کو اجتماعی عبادت میں تبدیل کیا، اور نہ ہی اس نے اسے گھر میں ذاتی طور پر کی جانے والی عبادت سے مسجد میں عوامی طور پر کی جانے والی عبادت میں تبدیل کیا (جیسا کہ ہمارے بعض شیعہ لوگوں نے اس کا مطلب کرنے کی کوشش کی ہے)۔ اس کو ایسا کرنے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ لوگ مسجد میں چھوٹی چھوٹی جماعت میں نماز پڑھ رہے تھے حتیٰ کہ عمر کے اس رات مسجد میں داخل ہونے سے پہلے ہی یہ عمل ہو رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ عمر موقع پر آئے۔ عبد الرحمٰن بن عبد القاری نے شروع میں جو کچھ دیکھا (یعنی جب وہ عمر کے ساتھ مسجد میں داخل ہوئے تو) بنیادی طور پر وہی کچھ تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد سے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران ہو رہا تھا۔

لوگ قیام کے لیے مسجد میں آتے تھے: کچھ (یعنی قرآن حفظ کرنے والے) انفرادی طور پر نماز پڑھتے تھے۔ لیکن زیادہ تر واقعات کے مطابق صرف 25 صحابہ ایسے تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک پورا قرآن حفظ کر لیا تھا۔ تو ان لوگوں کا کیا ہو گا جنہوں نے قرآن حفظ کرنے کا وقت نہیں نکالا تھا؟ وہ قیام میں پورا قرآن پڑھنے کے فائدے اور ثواب سے خود کو محروم نہیں کرنا چاہتے تھے، اور انہوں نے شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث سنی ہو گی کہ "وہ قرآن سننے والا اور تلاوت کرنے والا ثواب کے لحاظ سے برابر ہے"، لہٰذا جو لوگ پورے قرآن کے حافظ نہیں تھے، وہ صرف کسی کے پیچھے کھڑے ہو جاتے تھے، اور وہ اس کی تلاوت سنتے تھے۔ چنانچہ عمر نے صرف یہ تجویز کیا کہ تمام چھوٹی جماعتیں ایک ہی جماعت میں شامل ہو جائیں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھا، تو ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ عمر ہی وہ ہے جس نے اس کا "جماعت" کا پہلو متعارف کرایا، جب لوگ اس سے پہلے بھی چھوٹی جماعت میں نماز پڑھتے رہے تھے، اور خاص طور پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے پہلے واقعی ایک بڑی جماعت میں اس کی امامت کر چکے تھے؟

مہدیہ: کیا یہ سچ ہے مولانا؟

مولانا: ٹھیک ہے، میں نے جو سنی روایتیں نقل کی ہیں، میں دیکھ سکتا ہوں کہ وہی تصویر ابھرتی ہے۔ لیکن مجھے سنی روایات پر بھروسہ کرنے میں کوئی عار نہیں کیونکہ ان کے راوی تمام معتبر لوگ نہیں تھے، اس لیے ہم نہیں جانتے کہ ہم کس بات پر یقین کر سکتے ہیں۔

جعفر: اب آپ نے دروازہ کھول دیا ہے، مولانا۔ اگر آپ کو سنی روایات پر اعتماد نہیں تو آپ نے پہلے ان کا حوالہ کیوں دیا؟ میرا اندازہ ہے کہ آپ کا خیال تھا کہ آپ ان روایات کے صرف سطحی پہلوؤں پر بھروسہ کر کے تراویح کو غلط ثابت کر سکتے ہیں جیسے کہ عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول کہ یہ ایک اچھی بدعت ہے، اور آپ نے سوچا کہ آپ ان بیانات کو اپنے حق میں استعمال کر سکتے ہیں، لیکن اب جب کہ ہم نے ان روایات کو موضوع بنایا ہے۔ گہرا تنقیدی تجزیہ کیا ہے، اور یہ واضح ہو گیا ہے کہ، آپ کے دلائل طاقت کھو رہے ہیں، تو آپ اپنے سابقہ موقف سے پیچھے ہٹ رہے ہیں، اور اب اچانک، وہ روایتیں جن کو پڑھنے میں آپ نے وقت اور محنت کی۔ ہم سے بآواز بلند بیان کیں- اچانک آپ ان روایتوں سے مطمئن نہیں ہیں؟

مہدیہ: ٹھہرو، تو اگر یہ سب عمر نے کیا ہے، تو مجھے یہ کہنا پڑے گا کہ اس نے جو کیا وہ شاید ایک بہت ہی سمجھداری اور عقلمندی والی چیز تھی، میرا مطلب ہے کہ میں جانتی ہوں- بحیثیت شیعہ، ہمیں شاید یہ کہنا مناسب نہیں لگے، جیسے کہ ہمارے جسم کا ایک حصہ ایسا ہوتا ہے جہاں تکلیف ہوتی ہے جب بھی ہمیں اس طرح کی کوئی بات ماننی پڑتی ہے، لیکن میرا مطلب یہ ہے کہ یہ سچ ہے کیونکہ اگر آپ کے پاس ایک ہی مسجد میں اتنی چھوٹی جماعتیں ہوں تو یہ افراتفری کا باعث بن سکتا ہے۔ الجھن، کیونکہ ایک گروہ کی قرأت دوسرے گروہ کو پریشان کر سکتی ہے، شاید اسی لیے عمر نے سوچا کہ ان کو ایک ہی امام کے پیچھے اکٹھا کرنا بہتر ہے؟

جعفر: بالکل۔ ابھی تک ایک اہم حقیقت سے ہم آگاہ نہیں ہیں۔ اندازہ لگائیں کہ وہ امام کون تھا کہ عمر نے تراویح کے لیے سب لوگوں کو پیچھے جمع کیا؟

مہدیہ: آپ کا کیا مطلب ہے؟

جعفر: میرا مطلب ہے جب عمر نے فیصلہ کیا کہ تمام لوگوں کو ایک بڑی جماعت میں قیام کرنا چاہیے نہ کہ کئی چھوٹی جماعتوں میں، تو عمر نے اس جماعت کا امام کس کو مقرر کیا؟ وہ کون تھے جنہوں نے اس قیام کی امامت کی؟ دوسرے لفظوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پہلی تراویح جماعت کی امامت کس نے کی؟

مہدیہ: کسے پرواہ ہے، یہ عمر بن خطاب خود ہوں گے، میں تصور کر سکتی ہوں؟

جعفر: نہیں، ایسا نہیں تھا۔ درحقیقت عمرؓ نے کبھی مسجد میں قیام نہیں کیا۔ وہ اپنے کاموں میں مصروف رہتے تھے، اور اپنے گھر کی پرائیویسی میں اپنا قیام اسی طرح کرتے تھے جس طرح آج شیعہ کرنا پسند کرتے ہیں۔ ستم ظریفی ہے، ہے نا؟

مہدیہ: مولانا، کیا یہ سچ ہے؟

مولانا: ہاں، وہ صحیح ہے کیونکہ میں نے اس کے برعکس ثبوت نہیں دیکھے۔

مہدیہ: ٹھیک ہے، اب میں متجسس ہوں، اگر عمر رضی اللہ عنہ گھر پر قیام کرتے تو کون؟ کس نے مسجد میں قیام کی امامت کروائی؟

جعفر: اندازہ لگائیں؟

مہدیہ: مجھے نہیں معلوم، ویسے بھی اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟

جعفر: ارے نہیں، یہ بہت اہم ہے! مسجد نبوی میں تراویح کی امامت کرنے والے پہلے امام، عمر نے تمام چھوٹی جماعتوں کو اکٹھا کر کے ایک بڑی جماعت میں تبدیل کیا اور ابی ابن کعب کو امام مقرر کیا جو امام علی علیہ السلام کے سب سے قریبی اور سخت ترین شیعوں میں سے تھے اور قرآن کے بہترین حافظ اور قاری تھے۔ حیرت انگیز اور تعجب خیز حقیقت، امام علی (ع) کے قریب ترین شیعوں میں سے ایک نے پیغمبر اکرم (ص) کے بعد پہلی متحد تراویح جماعت کی قیادت کی، اور ہم اسے بدعت کہتے ہیں، اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمارے ائمہ اس کے خلاف تھے، ستم ظریفی ہے، ہے نا؟

مہدیہ: براہ کرم مجھے بتائیں کہ آپ مذاق کر رہے ہیں یہ ناممکن ہے. ایک شیعہ کبھی تراویح نہیں پڑھے گا، امامت تو بہت دور کی بات ہے! کیا میں صحیح ہوں، مولانا؟

مولانا: ٹھیک ہے، میرے خیال میں، مجھے آپ کے بھائی کی اس حقیقت کو درست تسلیم کرنا پڑے گا کہ تراویح کی امامت کرنے والے سب سے پہل امام ابی بن کعب تھے، کیونکہ تمام روایات اور تاریخی واقعات اسی کا ذکر کرتی ہیں۔ لیکن آپ کس نے کہا ہے کہ وہ شیعہ تھے؟ میرا مطلب ہے کہ آپ کو کیسے پتہ چلا کہ وہ شیعہ تھے؟ اس زمانے میں شیعہ اور سنی اتنے واضح نہیں تھے، کیا ایسا نہیں تھا؟

جعفر: شاید علامہ سید محمد کاظم النجفی ابی بن کعب پر روشنی ڈال سکتے ہیں جیسا کہ چند روز قبل انہوں نے ابی بن کعب کی سیرت پر ایک شاندار لیکچر دیا تھا جو امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کے وفادار اور کٹر اصحاب کے سلسلہ کا حصہ تھا۔ ابی بن کعب اور ان کے تشیع کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے علامہ صاحب؟

علامہ نجفی: ٹھیک ہے، لیکن حقیقت میں میری یا کسی اور کی رائے کا سوال نہیں ہے، کیونکہ یہ اجماع کا معاملہ ہے۔ اسلامی تاریخ کے کسی بھی پڑھے لکھے، اچھی طرح سے جاننے والے، اور بڑے پیمانے پر پڑھے جانے والے شیعہ یا سنی عالم سے پوچھیں، وہ آپ کو بتائے گا کہ صحابہ کرام میں ایک چھوٹا سا گروہ تھا جسے شیعان علی (یعنی علی کی جماعت) کہا جاتا تھا۔ وہ آج کی اصطلاح کے لحاظ سے نظریاتی شیعہ نہیں تھے، لیکن انہیں زبانی طور پر علی کا شیعہ کہا جاتا تھا کیونکہ ان کا پختہ یقین تھا کہ امام علی علیہ السلام خلیفہ بننے کے زیادہ اہل ہیں، اور انہوں نے خلیفہ اول کی بیعت سے بھی انکار کر دیا تھا۔ انھوں نے بنو ہاشم کے ساتھ موافقت اختیار کی، اس لیے انھوں نے ابو بکر کی بیعت نہیں کی اور نہ ہی ان کے ساتھ کسی معاملے میں تعاون کیا یہاں تک کہ انھوں نے اپنے امام کو بیعت کرتے دیکھا، جس کے بعد ان کے تعلقات خلیفہ اول سے کچھ بہتر ہوئے۔ ابی بن کعب ان "شیعوں" میں سے ایک تھا۔ اسے شیعہ اور سنی

دونوں علماء نے صحابہ کی فہرست میں درج کیا ہے جنہوں نے سقیفہ کے بعد اہل بیت کے ساتھ اتحاد کیا، اور بیعت کرنے سے انکار کیا، کیونکہ وہ امام علی کو علم کے لحاظ سے خلافت حاصل کرنے کا زیادہ اہل سمجھتے تھے!

یہاں تک کہ سنی علماء نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ ابی بن کعب اپنے زمانے کے معیارات کے مطابق ایک حقیقی "شیعہ" تھا، کیونکہ ان کا تعلق علماء اور متقی صحابہ کے ایک اعلیٰ گروہ سے تھا جو اس بات پر پختہ یقین رکھتے تھے کہ امام علی علیہ السلام اَفضل (برتر) ہیں ابو بکر و عمر سے (ان کے علم سے لے کر تقویٰ وغیرہ تک ہر چیز کے لحاظ سے) اور اسی وجہ سے وہ امام علی علیہ السلام کو مسلمانوں کے مثالی حکمران اور رہنما کے طور پر دیکھتے تھے۔ یہاں تک کہ کلاسیکی سنی مورخین بھی ایسے صحابہ کو بیان کرنے کے لیے "شیعہ" کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔ پوری تاریخ میں اور جدید دور میں بھی شیعہ علماء نے فخر کے ساتھ "شیعہ" صحابہ کے اس گروہ کو شیعہ برادری کے طور پر شمار کیا ہے۔ عراق کے عظیم شیعہ عالم اور خطیب مرحوم علامہ ڈاکٹر احمد الولی نے اپنی کتاب ہویۃ التشیع میں تمام "شیعہ" صحابہ کی ایک جامع فہرست فراہم کی ہے، اور یہ وہ نام ہیں جو انہوں نے "علمبردار / شیعوں کی پہلی نسل" کے عنوان سے درج کیے ہیں۔۔ "ہمارے استاد آیت اللہ سید الخوئی نے بھی انہیں امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کے اعلیٰ حامیوں میں شمار کیا۔

مہدیہ: ٹھیک ہے، یہ واقعی دلچسپ بحث ہے۔ تو مجھے یہ کہنے دو کہ جس کو ہم سنیوں کی بدعت سمجھتے ہیں اس کی قیادت کرنے والا پہلا شخص در حقیقت امام علی علیہ السلام کے سخت ترین شیعوں میں سے تھا؟ یقیناً امام علی علیہ السلام نے انہیں روکنے کی کوشش کی ہو گی؟

علامہ نجفی: اس کے بارے میں ہم نہیں جانتے۔

مہدیہ: اگر امام علی علیہ السلام تراویح کے خلاف تھے تو انہوں نے اپنے قریب ترین شیعوں کو امامت کرنے سے کیوں نہیں روکا؟ اور اس کے علاوہ اگر ابی ابن کعب امام علی کے اتنے ہی قریبی اور مضبوط شیعہ حامی تھے تو انہوں نے تراویح کی امامت پر کیوں اکتفا کیا؟ اگر وہ جانتے تھے کہ امام علی علیہ السلام اس ک بدعت کے خلاف ہیں؟ جعفر: شاید اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ امام اَصل میں اس کے خلاف نہیں ہیں، اور یہ میرے اور آپ کے سوچنے کی بات ہے کہ ہمیں کیوں دھوکے میں ڈالا گیا ہے کہ امام علی اس کے خلاف ہیں۔

مہدیہ: آپ کی بات میں وزن ہے. مولانا، امام علی نے اپنے قریب ترین شیعہ کو تراویح کی امامت سے کیوں نہیں روکا، اور ابی بن کعب جیسے شیعہ نے سب سے پہلے تراویح کی امامت کیوں کی؟

مولانا سید آفتاب: تقیہ کی وجہ سے ہو سکتا ہے۔

جعفر: جناب اعلی..... تقیہ صرف آپ کی جان بچانے کے لیے جائز ہے۔ کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگر ابی نبن کعب نے امامت سے انکار کیا ہوتا تو ان کی جان کو خطرہ ہوتا؟

یہاں حقیقت پسندی کی بات ہے، بلال نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اذان دینے سے انکار کر دیا حالانکہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان سے اذان جاری رکھنے کی درخواست کی، لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ اور اس کے لیے کوئی اسے نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا اور نہ ہی اسے مار سکتا تھا۔ تو کسی طرح بلال کو تقیہ کی ضرورت نہیں تھی لیکن ابی بن کعب کو تقیہ کی ضرورت پڑ گئی؟

مولانا: ٹھیک ہے، لیکن ٹھہرو، ایک منٹ کے لیے بخاری کی طرف چلتے ہیں، اسی بخاری میں آپ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، جس میں بتایا گیا ہے کہ کس طرح لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں تراویح نہیں پڑھی، پھر ابو بکر کے دور میں۔ لیکن عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی میں، عمر نے اس نماز کے لیے ایک امام کے پیچھے لوگوں کو جمع کیا۔ آپ اس کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جعفر: مولانا آپ کی نظر میں ابو ہریرہ کب سے اتنے قابل اعتماد ہو گئے؟ شیعہ کے نقطہ نظر سے ہمیں کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس روایت کو عمر کی فضیلت میں شامل کرنے کے لیے کیوں نہ گھڑتے؟ عمر کے کسی اور پرستار نے اس روایت کو ایجاد کیا ہو گا اور اسے ابو ہریرہ کی طرف منسوب کر کے عمر کی فضائل میں اضافہ کیا ہو گا۔ یاد رہے کہ بعد کے زمانے میں، سنی علماء نے تراویح کا سہرا عمر کے سر باندھنے کی بہت کوشش کی، اور انہوں نے عمر کا رتبہ بڑھانے کے لیے تراویح کا سارا سہرا عمر کے کھاتے میں ڈالا اور تراویح کے قیام میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار کو چھپانے کی کوشش کی، اور انھیں ایک ہیرو کے طور پر پیش کرنے کی کوشش کی۔ ماہ رمضان کے دوران دنیا بھر کی مساجد میں قرآنی تلاوت کی گونجنے والی آوازوں کا ذمہ دار عمر کو بنانے کی کوشش کی۔ بہر حال، ابو ہریرہ سنت کے معاملات میں حتمی ماہر نہیں ہیں، اس لیے یہ بھی ممکن ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اجتماعی تراویح سے واقف نہ ہوں۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح کہتے ہے: یہ کتنی اچھی بدعت ہے؟

مولانا: تو جب عمر خود کہتے ہیں کہ یہ ایک بہترین بدعت ہے، تو پھر آپ دوسری صورت میں کیسے استدلال کر سکتے ہیں؟

جعفر: تو کیا ہو گا اگر عمر کو لگتا ہے کہ اس نے دین میں ایک اچھی بدعت کی ہے؟ اس کو بدعت قرار دیں؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ بدعت نہیں تھی، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اس کی نظیر موجود تھی۔ حتیٰ کہ شیخ طوسی کی شیعہ کتاب تہذیب الاحکام میں روایات بھی اس بات کی گواہی دیتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماہ رمضان میں مسجد میں قیام فرمایا کرتے تھے اور آپ کے پیچھے لوگوں کا ہجوم جمع ہو جاتا تھا اور ایسا بار بار ہوتا تھا، اگر عمر رضی اللہ عنہ اس نظیر سے واقف نہیں تھے، پھر یہ ان کا مسئلہ ہے، ہمارا نہیں، تو ہاں، عمر نے سوچا کہ اس نے کوئی نئی بات کی ہے، اسی لیے انہوں نے یہ تبصرہ کیا، لیکن وہ تبصرہ (یعنی یہ کتنی عمدہ بدعت ہے) شاید ان کی لاعلمی کا نتیجہ ہے۔ اس لیے کہ شاید وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ اس سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں یہ نماز باجماعت پڑھائی تھی۔

مہدیہ: ایک قریبی ساتھی کی حیثیت سے، کیا آپ کو نہیں لگتا کہ وہ جانتے ہوں گے کہ پیغمبر نے کیا کیا اور کیا نہیں کیا؟

جعفر: ٹھیک ہے، عام تصور کے برعکس، عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ زیادہ وقت نہیں گزارا۔ وہ خود بعد میں پچھتا رہے تھے کہ ان کی تجارت نے انہیں اس قدر مصروف رکھا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ زیادہ وقت گزارنے اور سنت نبوی کے بہت سے بنیادی پہلوؤں سے آشنا

ہونے کے قابل نہیں رہے۔ تو ہاں، یہ بالکل ممکن ہے کہ وہ اس بات سے واقف نہ ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پہلے یہ نماز باجماعت پڑھائی تھی، جس طرح وہ سنت کے دوسرے پہلوؤں سے واقف نہیں تھے جیسے کسی کے دروازے پر دستک دینے کے آداب، مثال کے طور پر۔ جب عمر رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ کچھ لوگ الگ الگ نماز پڑھ رہے ہیں اور کچھ لوگ چھوٹی جماعت میں نماز پڑھ رہے ہیں، تو شاید انہوں نے یہ سمجھا ہو گا کہ وہ ہمیشہ اسی طرح نماز پڑھتے رہے ہوں گے، چنانچہ جب انہوں نے انہیں ایک امام کے پیچھے اکٹھا کیا تو محسوس ہوا۔ اس نے کچھ "نیا" اور "جدید" کیا تھا، لیکن حقیقت میں اس نے جو کچھ کیا تھا اس میں اس سے زیادہ "نیا" اور "جدید" کچھ نہیں تھا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی میں اس سے پہلے بھی ایسی جماعت کی امامت کر چکے تھے۔

مولانا اب مشکل میں تھے، لیکن ان کے پاس ابھی ایک ٹول بچا تھا، حدیث کی سنی کتب آسانی سے دستیاب ہیں، لیکن شیعہ کتب کچھ خفیہ کتابوں کی طرح ہوتی ہیں جن تک عام طور پر شیعہ عوام کی رسائی نہیں ہوتی۔

مولانا نے کہا، "ٹھیک ہے، اگر آپ سنی روایات س کا رد کرتے ہیں جو ہم نے بیان کی ہیں تو ہمارے پاس شیعہ کتب میں روایات موجود ہیں جن کو ہم مانتے ہیں۔ ہمارا موقف دراصل شیعہ کتب احادیث میں مذکور روایات پر مبنی ہے، جو ہم نے سنی کتب سے جو ذکر کیا ہے، وہ ہم صرف سنیوں کو ثبوت فراہم کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔۔"

مولانا نے کہا: "آیئے آپ کو شیعہ کتب حدیث سے کچھ روایات دکھاتے ہیں۔۔"

شیعہ حدیث سے ثبوت:

الکافی میں امیر المومنین علیہ السلام کا خطبہ

مولانا: میں شیخ محمد بن یعقوب الکلینی کی الکافی سے یہ روایت نقل کر رہا ہوں۔ یہ حدیث کی ہماری قدیم ترین اور معتبر تالیفات میں سے ایک ہے۔ یہ ایک خطبہ کا متن ہے جو امام علی علیہ السلام نے کوفہ میں دیا تھا۔ میں آپ کو متعلقہ حصہ پڑھ کر سناتا ہوں۔ **امام علی (ع):** "مجھ سے پہلے حکمرانوں نے بہت سے ایسے کام کیے جو رسول اللہ (ص) کی تعلیمات کے خلاف تھے، جو وہ جان بوجھ کر سنت کے خلاف کام کرتے تھے، ان کے عہد کے خلاف تھے، آپ کی سنت کو تبدیل کرتے تھے۔ اور اگر میں لوگوں کو بدعت سے دور کرنے کے لیے طاقت کا استعمال کرتا ہوں تو لوگ تقسیم ہو جائیں گے، اللہ کی قسم میں نے لوگوں کو حکم دیا ہے کہ وہ فرض نمازوں کے علاوہ کوئی اور نفل نماز جماعت کے ساتھ نہ پڑھیں، اور میں نے ان سے کہا کہ نوافل (تراویح) کے اجتماعات بدعت ہے۔" (الکافی از شیخ الکلائنی، جلد 8 / ص 51)

مولانا نے اس روایت کو پڑھنے کے بعد ایک لمحے کے لیے توقف کیا، اور پھر کہا: آپ اس سے زیادہ کیا چاہتے ہیں، امام علی علیہ السلام کس قدر واضح ہو سکتے تھے؟

جعفر: ہاں، میں نے سنا ہے کہ ائمہ اہل بیت علیہم السلام سے تراویح کے خلاف روایات ہیں، لیکن میں نے یہ بھی سنا ہے کہ وہ سب جھوٹی اور من گھڑت ہیں۔ ہم کیسے جان سکتے ہیں کہ یہ من گھڑت روایت نہیں ہے؟

مولانا: یہ کتاب الکافی میں ہے - ہماری سب سے قدیم اور قابل ذکر حدیث کی کتاب۔

علامہ محمد کاظم نجفی: ھممم...(کھانسی).... دراصل اگر آپ نے علم رجال کا مطالعہ کیا ہوتا اور دیکھا ہوتا۔ ہمارے عظیم مرجعہ جیسے آیت اللہ سید ابو القاسم الخوی، آیت اللہ سید علی سیستانی کی تحقیق سے آپ کو معلوم ہو گا کہ الکافی ضعیف اور من گھڑت روایات سے بھری ہوئی ہے۔ آخر کار آپ کو یاد ہو گا کہ اسی الکافی کا ایک خطبہ بھی ہے جس میں امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں: اپنی بیٹیوں کی شادی میرے بیٹے الحسن سے نہ کرو کیونکہ وہ عورتوں کو طلاق دینا بہت پسند ہے!!!

مہدیہ (صدمے سے): کیا؟ کیا آپ سنجیدہ ہیں؟ یار، میرا مطلب ہے، میں معذرت چاہتی ہوں، مولانا، اس قسم کی بکواس ہماری سب سے معتبر کتاب حدیث میں نہیں ہو سکتی؟ کیا یہ ممکن ہے؟

علامہ نجفی: بد قسمتی سے، یہ ہے، اور میں آپ کو دکھا سکتا ہوں۔ (اپنا آئی پیڈ اس کو دیتا ہے۔) تو ہاں، الکافی ہماری حدیث کی قدیم ترین کتابوں میں سے ایک ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس میں من گھڑت اور ضعیف روایتیں نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ امام علی علیہ السلام کا خطبہ جو سید آفتاب نے روضۃ الکافی سے نقل کیا ہے، اور ہمارے بہت سے اساتذہ اور علماء نے اس بارے میں شکوک و شبہات پیدا کیے ہیں کہ آیا شیخ کلیانی نے روضۃ الکافی کی تصنیف کی بھی ہے یا نہیں، جیسا کہ ہمارے پاس اس کا کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ہے۔ ہمارے بعض اساتذہ کا خیال ہے کہ اسے کسی اور نامعلوم شخص نے مرتب کیا ہے، اور اس لیے وہ روضۃ الکافی کی روایات کے بارے میں بہت مشتبہ ہوتے ہیں کیونکہ مرتب کی تصدیق نہیں ہوتی۔

مولانا: ٹھیک ہے، لیکن تراویح کے متعلق اس روایت کا کیا ہو گا؟ میں نے قم میں اپنے اساتذہ کو اپنی تقاریر میں اس کا حوالہ دیتے ہوئے دیکھا ہے، اس لیے میں اسے مستند مان رہا ہوں۔

علامہ نجفی: کیا؟ آپ کسی حوزہ میں پڑھ رہے ہیں؟

مولانا: حوزہ قم۔

علامہ: لیکن کیا وہ قم کے حوزہ میں علم رجال کی تعلیم نہیں دیتے؟

مولانا: ہمیں ابھی تک علم رجال نہیں سکھایا گیا؟میرا خیال ہے کہ وہ نویں سال کے بعد پڑھاتے ہیں، اور میں ابھی ساتویں میں ہوں۔

جعفر: ایک منٹ۔۔۔ آپ ابھی تک علم رجال کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔

مولانا: میں نے ابھی تک علم رجال نہیں پڑھا لیکن مستقبل میں پڑھنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔

جعفر: واہ۔ اور یہاں آپ بحث کے آغاز میں مجھے لیکچر دے رہے تھے کہ میں تراویح پر تحقیق یا بحث کرنے کا اہل نہیں ہوں کیونکہ میں نے تمام علوم اسلامیہ کا مطالعہ نہیں کیا ہے۔

مہدیہ: اب چھوڑو بھی جعفر، انہوں نے تسلیم کیا ہے کہ وہ اس طرح کے مسائل کی تحقیقات کرنے کی آپ کی صلاحیت کو چیلنج کرنے میں غلط تھے۔ آپ کے نکات مضبوط ہیں لیکن ہمیں احترام کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔

جعفر: ہاں، مجھے افسوس ہے، میں معذرت خواہ ہوں۔ میں جذباتی ہو گیا تھا۔ میں حیران ہوں۔

مولانا: تو مجھے یہ صحیح کرنے دیں، آغا نجفی صاحب! تراویح کے خلاف امام علی علیہ السلام کے اس خطبہ کی کیا حیثیت ہے؟ کیا اس کی سند مستند نہیں ہے؟

علامہ نجفی: اس سے بعید ہے!! در حقیقت اگر آپ رجال کے ماہرین سے جا کر پوچھیں تو وہ یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ یہ صریح ضعیف ہے۔ اگر آپ مجھ سے ذاتی طور پر پوچھیں کہ علم رجال میں میری تحقیق کے مطابق، میں مانتا ہوں کہ یہ روایت صرف ضعیف نہیں، بلکہ یہ من گھڑت ہے، اور میں اسے ثابت کر سکتا ہوں۔

مولانا: واقعی؟ میں نے ہمیشہ سوچا کہ یہ روایت انتہائی مستند ہے۔ میں آپ کے ثبوت سننا چاہتا ہوں۔

سند کا تجزیہ:

علامہ نجفی: ٹھیک ہے۔ براہِ کرم روایت کی سند پڑھیں۔

مولانا آفتاب: سلسلہ اس طرح چلتا ہے۔

علی بن ابراہیم سے، اپنے والد سے، حماد بن عیسی سے، ابراہیم بن عثمان سے، سلیم بن قیس ہلالی سے، انہوں نے کہا۔۔

علامہ نجفی: میں آپ کو بتا سکتا ہوں کہ اس سلسلہ میں کئی مسائل اور واضح کمزوریاں ہیں؛ علم رجال کا کوئی بھی عالم اس بات کی تصدیق کرے گا کہ اس سلسلہ میں یا تو اس کی نقل میں غلطی ہے یا یہ من گھڑت ہے اور ایسے اناڑی نے یہ روایت گھڑی ہے جس کو روایوں کے پس منظر کی بھی معلومات نہیں تھی۔ عثمان جس نے اسے سلیم بن قیس سے نقل کیا ہے۔ در حقیقت حماد بن عیسیٰ کا کوئی استاد / شیخ نہیں تھا جس کا نام ابراہیم بن عثمان ہو اور نہ ہی انہوں نے ابراہیم بن عثمان نامی شیخ سے کوئی حدیث لی ہو،

تو اب ہم کیا کریں؟ ٹھیک ہے، آپ جس منہج رجال کی پیروی کرتے ہیں، اس پر منحصر ہے، اس کے دو امکانات ہیں:

(1) اگر آپ میری اور میرے اساتذہ کی طرح انتہائی سخت، شکی اور قدامت پسند رجال پرست ہیں، تو آپ اعلان کریں گے کہ کسی کذاب نے راویوں کا یہ سلسلہ گھڑا ہے اور اس نے ابراہیم بن عثمان نامی ایک شخص کو ایجاد کیا ہو گا اور پھر اس سے یہ روایت حماد تک پہنچائی ہو گی کیونکہ حماد کا کوئی استاد نہیں تھا جس کا نام ابراہیم بن عثمان ہو۔

یا پھر

(2) اگر آپ رجال کے مہربان عالم ہیں، اور آپ کو زیادہ سے زیادہ روایات کو ضائع ہونے سے بچانے کا جنون ہے، تو آپ قیاس کا سہارا لیں گے، اور یہ استدلال کریں گے کہ ممکن ہے کہ اس سلسلہ کو نقل کرنے میں کوئی غلطی ہوئی ہو، اور ہو سکتا ہے۔ حماد نے دراصل یہ روایت اپنے ایک معروف استاد سے حاصل کی تھی، جن کا نام ابراہیم بن عمر الیمانی تھا، کیونکہ یہ مشہور ہے کہ حماد کے پاس حدیث کا ایک استاد تھا جس کا نام ابراہیم بن عمر تھا، اور ہو سکتا ہے کہ نقل کرنے والے نے حماد کے استاد کا نام ابراہیم بن عمر کی جگہ ابراہیم بن عثمان لکھ دیا ہو، اور یہ بالکل ممکن ہے، کیونکہ عمر اور عثمان کے نام آسانی سے الجھ جاتے ہیں۔ لہٰذا اہل علم اس بات پر استدلال کریں گے کہ ہم محفوظ طریقے سے یہ فرض کر سکتے ہیں کہ حماد کو یہ روایت در حقیقت اپنے معروف استاذ حدیث ابراہیم بن عمر الیمانی سے ملی ہے اور نقل کرنے والے نے ان کا نام لکھنے میں غلطی کی اور ابن عمر کے بجائے بن عثمان کا اضافہ کیا۔ اس طرح، مسئلہ حل ہو گیا، اور ہمیں اس سلسلہ کو ترک کرنے کی ضرورت نہیں اگرچہ نام، ابراہیم بن عثمان، سلسلہ میں حماد کے بعد ہے، کیونکہ یہ در حقیقت ابراہیم بن عمر ہو گا۔ لیکن نقل کرنے والے نے اسے غلط نقل کیا۔ ایسا قم میں ہر وقت ہوتا رہتا ہے (کم از کم جدید دور میں بھی قم کے علماء رجال خواب کی دنیا میں رہتے ہیں)۔

ہم رجال کے ان مہربان علماء سے کہتے ہیں، ٹھیک ہے، تو یہ ابراہیم بن عمر الیمانی ہے۔ ہمارے لیے کوئی مسئلہ نہیں۔ لیکن آپ کے مسائل ختم ہونے سے بہت دور ہیں۔

ابراہیم بن عمر الیمانی اور سلیم بن قیس:

یہاں ایک اور بڑا مسئلہ ہے، جو یہ ہے: بعض اہل علم نے استدلال کیا ہے کہ ابراہیم بن قیس کا کوئی طریق نہیں ہے۔ عمر الیمانی براہ راست سلیم قیس سے روایت کر سکتے تھے۔ کیونکہ قیس بن سلیم اور ابراہیم کے درمیان کم از کم ایک سے دو وسط (ثالث) ہونے چاہئیں۔

آغا رضا مہدوی (ایرانی اسکالر): معاف کیجئے، سیدنا، لیکن کیا سید خوئی نے اپنی "بوہوت" میں اس اعتراض کا جواب دینے کی کوشش نہیں کی۔

علامہ نجفی: جی ہاں، آپ ٹھیک کہتے ہیں، لیکن اگر ہم اسے چھوڑ بھی دیں تو ایک اور بڑا مسئلہ ہے جس کی طرف یہاں توجہ دینا ضروری ہے جو کہ ابراہیم بن عمر الیمانی کی معتبریت ہے۔ خود حماد کے استاد ہیں۔ آخر کار اس روایت کو ابراہیم بن عمر الیمان نے سلیم بن قیس ہلالی سے۔ روایت کیا ہے۔

ذرا غور کیجئے کہ **علامہ ابن الغضائری** کا ابراہیم بن عمر الیمانی کے بارے میں کیا کہنا ہے:

وقال ابن الغضائري: " إبراهيم بن عمر اليماني الصنعاني، يكنى أبا إسحاق: ضعيف جدا، روى عن أبي جعفر، وأبي عبد الله عليهما السلام، وله كتاب " وعده البرقي من أصحاب الباقر والكاظم عليهما السلام-

ابن الغذیری نے کہا ہے: "ابراہیم بن عمر الیمانی الصنعانی جن کا نام ابو اسحاق ہے: بہت ضعیف ہے، اس نے ابی جعفر اور ابی عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، اور ان کے پاس ایک حدیث ہے۔ البرقی نے ان کا شمار اصحاب الباقر اور کاظم میں کیا ہے۔

http://www.al-khoei.us/books/index.php?id=7064

جیسا کہ آپ دیکھ سکتے ہیں، ابن الغضائری نے اس راوی کو کذاب کہا ہے، اور اسے "ضعیف جدا ن"، "انتہائی ضعیف" قرار دیا ہے۔

آغا رضا مہدوی: چلیں سیدنا، آپ ابن الغضائری کا حوالہ کیوں دے رہے ہیں، ہم جانتے ہیں کہ وہ اپنی درجہ بندی میں بہت سخت تھے، اور آپ کے اپنے استاد، سید خوئی کے ان کی تجریحات (سخت گیری) کے بارے میں تحفظات رکھتے تھے۔

نجفی: اپنے استاذ سید خوئی کی عزت اپنی جگہ، لیکن اس معاملے میں ہم اپنے دوسرے استاد سید سیستانی کی تازہ ترین تحقیق سے متفق ہیں۔ آیت اللہ سید سیستانی ابن الغضائری کی گواہی کو نجاشی سمیت رجال کے کسی بھی دوسرے عالم سے زیادہ وزنی سمجھتے ہیں، اور اسی بنا پر وہ کتاب سلیم بن قیس ہلالی کو رد کرتے ہیں، کیونکہ ان کا استدلال ہے کہ ابان بن عیاش اور ابراہیم بن عمر الیمانی ابن الغضائری کی تجریح کی وجہ سے معتبر راوی نہیں ہیں۔

آغا رضا مہدوی: آغا سیستانی کا خیال ہے کہ ابن الغضائری کی گواہی نجاشی سے زیادہ وزنی ہے۔ مجھے اس پر یقین کرنا مشکل ہے۔

علامہ نجفی: یہ اس لیے کہ آپ نے ان سے تعلیم حاصل نہیں کی۔ اس کے علاوہ ان کے تمام طلباء کے درمیاں یہ ایک معروف حقیقت ہے۔ در حقیقت، اس کی ویب سائٹ پر بھی اس کا ذکر ہے۔

نوٹ:

(1) ابن الغذیری: یہ رجال کے ابتدائی شیعہ علماء میں سے ہیں، انہوں نے اپنی کتاب الدوافہ میں حدیث کے غیر ثقہ راویوں کو درج کیا ہے۔

(2) تجریحات: اس کا مطلب ہے راوی کو ناقابل اعتبار قرار دینا۔

(3) نجاشی: وہ رجال کے ابتدائی شیعہ عالم بھی ہیں، ان کی کتاب رجال نجاشی کو اہل علم نے کثرت سے روایت کرتے ہیں۔

(4) کتاب سلیم بن قیس ہلالی: یہ ایک متنازعہ ہے۔ کتاب، امام علی علیہ السلام کے ابتدائی شیعوں میں سے ایک اصحاب سے منسوب ہے۔ لیکن اکثر علماء اس کے موجودہ نسخے کو من گھڑت سمجھتے ہیں۔ یہاں تک کہ شیخ مفید جیسے کلاسیکی علماء نے اپنی "تشیح الاتقاد" میں اس کتاب کو ناقابل اعتبار قرار دیا ہے۔

آغامہدوی: ٹھیک ہے، لیکن پھر بھی دوسرے علماء جیسے سید خوئی نے ابراہیم بن عمر الیمانی کو نجاشی کی توثیق کی بناپر بچانے کی کوشش کی ہے۔

علامہ نجفی: ہاں، لیکن اس کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ ابن العضائری اس معاملے میں نجاشی کی مخالفت کرتے ہیں۔ لہذا ہمیں ابن العضائری کی تجریح سے جاناہو گا کیونکہ اس کی بنیاد علم پر ہے جبکہ نجاشی کی توثیق جہالہ پر ہے۔ اصول علم الرجال میں یہ قاعدہ ہے۔

آغامہدوی: میں آپ کی بات سمجھ رہاہوں۔ چونکہ وہ پہلے زمانے میں تھے، اس لیے یہ بات بالکل درست ہے۔ لیکن آپ اس حقیقت کے بارے میں کیا کہتے ہیں کہ راوی علی بن ابراہیم القمی کی تفسیر کی اسناد میں ظاہر ہوتا ہے، اور علی بن ابراہیم نے گواہی دی کہ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ کیا یہ اجتماعی توثیق ابراہیم بن عمر کو اپنی تحویل میں شامل نہیں کرتی؟

علامہ نجفی: ان کی توثیق کا پھر کوئی فائدہ نہیں کیونکہ صرف میں ہی نہیں بلکہ سید خوئی کے دوسرے شاگردوں نے بھی اب اعتراف کیاہے کہ سید خوئی کی تفسیر قمی کے راویوں کی توثیق بلاجواز تھی اور اس کے علاوہ علم رجال کا بنیادی اصول یہ ہے کہ اگر کسی راوی کو رجال کے ایک عالم نے توثیق کیاہو اور دوسرے کی طرف سے اس کی تحقیر کی جائے تو ایسے راوی کو ناقابل اعتبار سمجھا جائے کیونکہ توثیق جہالت کی بنیاد پر ہے جبکہ تجریح علم کی بنیاد پر ہے، اور علم کی بنیاد پر فیصلے کو جہل پر مبنی ہر فیصلے پر ترجیح دی جانی چاہیے، اس لیے آیت اللہ سید سیستانی، آیت اللہ سید کمال الثانی حیدری، اور آیت اللہ جواد تبریزی، کی مناہج کے مطابق یہ روایت صرف ابراہیم بن عمر کی موجودگی کی وجہ سے رد کر دی جائے گی۔ اور آگے، اس خطبہ کے بنیادی راوی، سلیم بن قیس ہلالی، رجال کے علماء کے درمیان بہت زیادہ تنازعہ کا موضوع ہے۔

نوٹ

(1) تفسیر القمی: یہ روایتوں پر مبنی تفسیر کی کتاب ہے جسے علی بن ابراہیم القمی کے نام سے ایک کلاسیکی شیعہ عالم نے لکھاہے۔ کئی سالوں سے علماء تفسیر القمی (اور کامل الزیارات) میں مذکور تمام راویوں کو معتبر سمجھتے تھے، لیکن حالیہ محققین نے انکشاف کیاہے کہ یہ رائے بے بنیاد اور باطل ہے۔

(2) توثیق: اس کا مطلب ہے کسی راوی کو ثقہ قرار دینا۔

آیئے میں آپ کو اس راوی کے بارے میں علم رجال کے چند سر کردہ علماء کے اقوال پڑھ کر سناتا ہوں:

وقال ابن الغضائري: (سليم بن قيس الهلالي العامري: روى عن أبي عبد الله والحسن والحسين وعلي بن الحسين عليهم السلام وينسب إليه هذا الكتاب المشهور وكتاب أصحابنا يقولون إن سليماً لا يعرف ولا ذكر في خبر وقد وجدت ذكره في مواضع من غير جهة كتابه ولا من رواية أبان ب بن أبي عيّاش وقد ذكر ابن عقدة في رجال أمير المؤمنين عليه السلام أحاديث عنه والكتاب موضوع لا مرية فيه وعلى ذلك علامات فيه تدل على ما ذكرنا:

منها ما ذكر أن محمد بن أبي بكر وعظ آباه عند الموت ومنها آنالائمة ثلاثة عشر وغير ذلك۔

وأسانيد هذا الكتاب تختلف تارة برواية عمر بن أذينة عن إبراهيم بن عمر الصنعانى عن أبان بن آبي عيَاشعن سليم و (تارة) يروي عن عمر عن أبان بلا واسطة۔

وقال في أبان بن أبي عياش: (ونسب أصحابنا وضع كتاب سليم بن قيس إليه)۔

وقال الشيخ المفيد (رحمه الل في آخر كتابه (تصحيح الاعتقاد):

وأما ما تعلق به أبو جعفر - رحمه الله - من حديث سليم الذي رجع فيه إلى الكتاب المضاف إليه برواية أبان بن أبي عياش، فالمعنى فيه صحيح، غير أن هذا الكتاب غير موثوق به، ولا يجوز العمل على أكثره، وقد حصل فيه تخليط وتدليس، فينبغي للمتدين أن يجتنب العمل بكل ما فيه، ولا يعول على جملته والتقليد لرواته وليفزع إلى العلماء فيما تضمنه من الأحاديث ليوقفوه على الصحيح منها والفاسد، والله الموفق للصواب

ابن الغذیری نے کہا: (سلیم بن قیس ہلالی الامیری: انہوں نے ابی عبد اللہ، الحسن، الحسین، اور علی بن الحسین رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، اور یہ مشہور کتاب ہے۔ ان کی طرف منسوب ہے، ابن ابی عیاش کی ابان کی روایت اور ابن عقدہ نے امیر المومنین علیہ السلام کے رجال میں ذکر کیا ہے، ان سے احادیث منقول ہیں، اور یہ کتاب بلاشبہ من گھڑت ہے اور اس میں نشانیاں ہیں۔ اس میں جو ہم نے ذکر کیا ہے اس کی نشاندہی کرتے ہیں؛

اس میں یہ بھی شامل ہے کہ محمد بن ابی بکر نے اپنے والد کو وفات کے وقت تبلیغ کی اور ان میں سے یہ ہے کہ ائمہ تیرہ ہیں وغیرہ۔

اس کتاب کی روایات کے سلسلے بعض اوقات عمر بن عدینہ سے، ابراہیم بن عمر الصنعانی سے، ابان بن ابی عیاش سے، سلیم سے، اور بعض اوقات مختلف ہوتے ہیں۔ کئی بار وہ عمر بن ابان کی سند پر بغیر کسی ثالث کے روایت کرتا ہے۔

اور **ابان بن ابی عیاش نے کہا:** (اور ہمارے اصحاب کے نسب نے ان کے پاس سالم بن قیس کی کتاب رکھی)۔

اور **شیخ مفید رحمہ اللہ** نے اپنی کتاب "تحیۃ الاعتقاد" کے آخر میں فرمایا

جہاں تک ابو جعفر رحمہ اللہ کا تعلق سلیم کی حدیث سے ہے، جس میں انہوں نے ابان بن ابی عیاش کی روایت کے ساتھ اس میں شامل کردہ کتاب کا حوالہ دیا ہے، اس کا مطلب صحیح ہے، سوائے اس کے کہ یہ کتاب معتبر نہیں ہے، اور اس کے اکثر حصوں پر عمل کرنا جائز نہیں ہے، اور اس میں ابہام اور دھوکہ دہی واقع ہوئی ہے، لہذا مذہبی شخص کو چاہئے کہ اس میں موجود تمام چیزوں کے ساتھ عمل کرنے سے گریز کرے، اور اس کے مکمل ہونے اور اس کی تقلید پر بھروسہ نہ کرے۔ راوی، اور اہل علم اس میں موجود احادیث کے بارے میں علماء سے رجوع کریں تاکہ وہ اسے صحیح اور غلط پر روک سکیں۔

جیسا کہ آپ دیکھ سکتے ہیں کہ سلیم بن قیس کی کتاب مشتبہ ہے، **کیونکہ علامہ ابن الغضائری اور شیخ مفید** دونوں نے گواہی دی کہ کتاب میں چھیڑ چھاڑ کی گئی ہے اور یہ حدیث کی معتبر کتاب نہیں ہے:

ہمارے اساتذہ کے ساتھ ساتھ ہم عصر علماء جیسے آیت اللہ سید خوئی، آیت اللہ جواد تبریزی، آیت اللہ سید کمال الحیدری اور آیت اللہ سیستانی نے استدلال کیا ہے کہ ہم سلیم بن قیس کی کتاب کو قابل اعتماد نہیں مان سکتے کیونکہ اس کی اسناد میں ضعیف راوی موجود ہیں۔

لہذا یہ روایت قطعی طور پر ضعیف ہے (مناہج کے مطابق)، اور غالباً موضوع (من گھڑت) ہے، خاص طور پر اس کا متن۔

متن (مواد) پر تبصرہ:

مولانا سید آفتاب عباس: ٹھیک ہے تو اس روایت کی سند ضعیف ہے، لیکن مواد ٹھیک لگتا ہے۔ اور ضعیف روایت میں کچھ حقیقت ہو سکتی ہے، آپ کے نزدیک یہ من گھڑت ہے؟

علامہ نجفی: الکافی کی مکمل روایت کو دیکھیں اور اس کا بغور مطالعہ کریں، آپ کو اس میں واضح تضادات اور تضادات نظر آئیں گے۔

اس روایت کو گھڑنے والا امام علی علیہ السلام کے دور سے اتنا دور رہا کہ بھول گیا کہ امام علی علیہ السلام کے زمانے تک بسم اللہ ہمیشہ صلاۃ میں جہران (بلند آواز سے) پڑھی جاتی تھی۔ کیونکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابو بکر، عمر، عثمان اور امام علی علیہما السلام کا عمل تھا اور امام علی علیہ السلام کی شہادت کے بعد صرف معاویہ نے اسے ختم کر دیا تھا۔ اس حدیث کو ایجاد کرنے والے غریب آدمی نے غلطی سے یہ گمان کیا کہ جہر امام علی علیہ السلام سے پہلے کے خلفاء نے بسم اللہ کی (خاموش تلاوت) کو ختم کر دیا ہو گا، چنانچہ انہوں نے امام علی علیہ السلام سے روایت کر دی:

وألزمت الناس الجهر ببسم الله الرحمن الرحيم

اگر فتنہ کا خوف نہ ہوتا اور میری فوج کی بیزاری نہ ہوتی تو میں جس سنن کو زندہ کرتا وہ یہ ہوتی کہ میں لوگوں پر (نماز میں) بلند آواز سے "بسم اللہ کہنا" لازمی قرار دیتا۔

اس روایت کو ایجاد کرنے والے غریب جاہل یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ امام علی علیہ السلام کے زمانے تک بسم اللہ ہمیشہ بلند آواز سے پڑھی جاتی تھی اور صحابہ کرام بسم اللہ کے بغیر نماز کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے، یہاں تک کہ جب معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد امام علی علیہ السلام کی شہادت نے بسم اللہ کو ختم کرنے کی کوشش کی اور بلند آواز سے بسم اللہ پڑھے بغیر نماز پڑھانے کی کوشش کی، تمام صحابہ ٹوٹ پڑے، اور مہاجرین اور انصار نے آپ کی کوتاہی پر شدید احتجاج کیا اور آپ پر زور سے بسم اللہ کہنے کی ضرورت پر زور دیا۔ یہاں تک کہ انکو (یعنی معاویہ) کو بسم اللہ کے جہر کے ساتھ نماز دہرانے پر مجبور کیا گیا! **انس بن مالک** کی یہ صحیح روایت خود ہی دیکھ لیں:

مااصح عن أنس بن مالك قال: "صلى معاوية بالمدينة فجهر فيها بالقراءة؛ فقرأ فيها ((سْم الله الرَّحْمنِ الرّحيم)) لأم القرآن؛ ولم يقرأ ((بسْم الله الرَّحْمنِ الرّحِيم)) للسورة التي بعدها حتى قضى تلك القراءة؛ فلما سلم ناداه من سمع ذلك من المهاجرين والأنصار من كل مكان: يامعاوية؛ أسرقت الصلاة أم نسيت؟' فلما صلى بعد ذلك قرأ ((يسم الله الرَّحْمنِ الرحيم)) للسورة التي بعد أم القرآن." أخرج هذا الحديث الحاكم في المستدرك وصححه على شرط مسلم؛ وأخرجه غير واحد من أصحاب المسانيد كالشافعي في مسنده وعلق على ذلك بقوله: "إن معاوية كان سلطاناً عظيم القوة شديد الشوكة فلولا أن الجهر المقرر عند كل الصحابة من المهاجرين والأنصار لما قدروا على إظهار بالبسملة كان كالأمر الإذكار حايه بسبب ترك المي"

حاکم کی روایت کے مطابق (رسول اللہ (ص) کے خادم خاص) **انس بن مالک** نے کہا: معاویہ مدینہ آیا اور ایک جہری نماز (نماز فجر یا مغرب یا عشاء) میں سورہ حمد بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ لی۔ مگر دوسری سورت بسم اللہ... پڑھنے سے اجتناب کیا۔ جب اس نماز کا سلام دیا، مہاجرین اور انصار کے ایک گروہ نے (جنہوں نے غالباً جان کے خطرے کی بنا پر نماز میں شرکت کی تھی) ہر سمت سے صدائے اعتراض اٹھائی اور کہنے لگے

أسرقت الصلاة أم نسيت ؟!"۔"

ترجمہ: کیا تو نے نماز میں سے کوئی چیز چرائی یا پھر بھول گئے۔

معاویہ نے مہاجرین و انصار کے احتجاج کی وجہ سے، دوسری نماز میں سورہ حمد کی ابتداء میں بسم اللہ... کی تلاوت کی اور دوسری سورت میں بھی بسم اللہ... پڑھ لی۔

اور اس نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا: "معاویہ ایک زبردست طاقتور سلطان تھا۔ تمام اصحابِ مہاجرین اور حامیوں کا فیصلہ جب وہ بسم اللہ پڑھوانے کے قابل ہو گئے تو معاملہ ایسا تھا

میرے درد کو چھوڑ بس ذکر زندہ ہے۔

مزید دیکھیں: رازی، فخر الدین، تفسیر الکبیر (مفاتیح الغیب)، جلد 1، ص 179-181۔

پس اگر بسم اللہ کو صرف امام علی علیہ السلام کی شہادت کے بعد ہی صلاۃ سے ہٹادیا گیا تھا، تو آپ اس کی وضاحت کیسے کریں گے ؟اس روایت میں ہمیں امام علی کا مبینہ بیان دیا گیاہے، یعنی "اگر فتنہ کا خوف نہ ہوتا اور میری فوج کی بیزاری نہ ہوتی تو میں جس سنن کو زندہ کرتا وہ یہ ہے کہ میں لوگوں پر زور (سے بسم اللہ کہنالازم کر دیتا۔"(صلاۃ میں)

امام علی علیہ السلام کو اس سنت کو دوبارہ زندہ کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی جو پیغمبر اکرم (ص) کے زمانے سے لے کر ان کے زمانے تک ہر طرح سے جاری تھی؟

ہم اس کذاب راوی کو بتاناچاہتے ہیں کہ آپ اپنے ہی جال میں پھنس چکے ہیں، کیونکہ ہمارے پاس اس بات کے زبردست ثبوت ہیں کہ امام علی علیہ السلام کی شہادت تک بسم اللہ کو صلاۃ میں بلند آواز سے پڑھا جاتا تھا، اور در حقیقت لوگ اس کے بارے میں اس قدر سخت تھے کہ جب معاویہ کی طرح کسی طاقتور حکمران نے بھی اسے ختم کرنے کی کوشش کی تو، انہوں نے اسکی سخت مزاحمت کی، اور اس کو کم از کم مدینہ میں نماز میں دہرایا۔

اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے جو معاویہ کے حکم کے نتیجے میں ہونے والے ہنگامے کو بیان کرتی ہے، امام شافعی نے کہا:

در حقیقت معاویہ ایک ایسا حکمران تھا جو بڑی طاقت اور اثر ورسوخ کا مالک تھا، اگر یہ حقیقت نہ ہوتی کہ بسم اللہ کو بلند آواز سے پڑھنا مہاجرین اور انصار میں سے تمام صحابہ کے ذہنوں میں ایک لازمی چیز نہ ہوتی بسم اللہ کو چھوڑنے پر اس کے خلاف احتجاج کی ہمت نہ کرتے۔

ان کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ صحابہ کرام کے احتجاج سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بلند آواز سے بسم اللہ نہ پڑھنا کوئی چھوٹی بات نہیں ہے جسے نظر انداز کر دیا جائے کیونکہ اگر یہ کوئی چھوٹی بات ہوتی تو صحابہ کرام ایک طاقتور کی مخالفت میں معمولی بات پر اپنی جان کو خطرے میں نہ ڈالتے۔ اس لیے امام شافعی کا قول ہے کہ صحابہ میں سے مہاجرین اور أنصار کی اجتماعی مخالفت معاویہ کی بسم اللہ کو چھوڑنے اور اسے صلاۃ سے ہٹانے کی کوشش صلاۃ میں بسم اللہ کو بلند آواز سے پڑھنے کی دلیل ہے۔ یہ صلاۃ کا جزاور اہم رکن ہے اور غیر منقطع حصہ ہے اور اسی وجہ سے اس نے بڑے یقین کے ساتھ اعلان کیا کہ نماز میں بسم اللہ کو بلند آواز سے پڑھنا واجب ہے اور اسے جان بوجھ کر چھوڑ دینا نماز کو باطل کر دیتا ہے۔ شافعی فقہاء کی آج تک یہی رائے ہے۔

روایت کے متن میں ایک اور مسئلہ یہ ہے:

ولو حملت الناس على تركها وحولتها إلى مواضعها وإلى ما كانت في عهد رسول الله صلى الله عليه وآله لتفرق عني جندي حتى أبقى وحدي أو قليل من شيعتي الذين عرفوا فضلي وفرض إمامتي من كتاب الله عزوجل وسنة رسول الله صلى

اور اگر میں لوگوں پر اس سے بچنے کا بوجھ ڈالتا اور اسے اس کے مقام پر اور جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے زمانے میں ہوا کرتا تھا واپس کر دیتا تو میرا لشکر منتشر ہو جاتا۔ میری طرف سے اس حد تک کہ صرف میں (علیہ السلام) باقی رہوں گا یا میرے (ع) شیعوں میں سے چند لوگ جو میری فضیلت کو پہچانیں گے۔ اور میری امامت اللہ کی کتاب (عزوجل) غالب وعظمت اور سنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے فرض کی گئی ہے۔

یہاں ہم امام کو یہ فرماتے ہوئے دیکھتے ہیں کہ اگر اس نے لوگوں کو بدعتوں کو چھوڑنے پر مجبور کیا اور ان کو دوبارہ اس طریقے پر رائج کیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں رائج تھا اور اسے بحال کرنے پر سختی کی تو ان کی فوج انہیں چھوڑ دے گی اور وہ تنہا رہ جائیں گے، یا صرف ان کے شیعہ ان کا ساتھ دیں گے جو ان کی امامت کو کتاب اللہ سے جانتے ہیں اور ان کے فضائل کو مانتے ہیں۔

ہم کہتے ہیں: رک جائیں۔

یہ امام علی علیہ السلام پر بہت بڑا بہتان ہے۔

کذاب راوی امام علی علیہ السلام کو ایک ایسے شخص کے طور پر پیش کر رہا ہے جو اپنی فوج کو ساتھ رکھنے اور اپنی حکومت کی مخالفت کو اس حد تک روکنے کے لیے زیادہ فکر مند ہے کہ وہ بدعتوں کو برداشت کرنے کے لیے پوری طرح تیار نہیں۔ اور سنت کو کچل دیا جائے اور بھلا دیا جائے - یہ سب اسلیے تاکہ وہ خوشی سے حکومت کر سکیں اور ان کی فوج انہیں چھوڑ نہ دے۔

اگر یہ بات تھی تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ ابن عباس جھوٹ بول رہے تھے جب انہوں نے امام علی علیہ السلام کو ایک ایسا امام قرار دیا جو کبھی بھی ان لوگوں کی ملامت سے نہیں ڈرتے تھے جو اللہ کے دین کے ساتھ مذاق کرتے تھے

جہاں تک اس بیان کا تعلق ہے، "میں اکیلا رہ جاؤں گا"، یا صرف ان کے چند شیعوں کے ساتھ جو ان کے فضائل کے بارے میں جانتے تھے اور جو کتاب اللہ میں سے ان کی امامت کے تھے۔۔۔

اللہ کی کتاب میں امام علی علیہ السلام کی امامت فرض ہونے کا ذکر کہاں ہے؟ امام قرآن کی ایسی آیت کا حوالہ کیسے دے سکتے ہیں جو موجود ہی نہ ہو؟ کیا ہمارے امام علیہ السلام کبھی قرآن کے بارے میں ایسا دعویٰ کریں گے؟

کیا اس طرح کا دعویٰ امام علی علیہ السلام کا ہو سکتا ہے جو قرآن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بڑے عالم ہیں، یا ان غالیوں کا ہے جو قرآن کے خلاف جھوٹ بولنے گھڑتے ہیں اور یہاں تک دلیل دینے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے کہ قرآن میں تحریف کی گئی ہے۔ اب آپ خود فیصلہ کریں۔

اس روایت کے ساتھ اور بھی بہت سے مسائل ہیں، لیکن میں صاف کہتا ہوں کہ میں اپنا زیادہ وقت اس روایت کو من گھڑت ثابت کرنے میں صرف کرنا نہیں چاہتا جو پہلے ہی مکڑی کے جالے سے بھی کمزور ہے۔

مولانا آفتاب عباس: تراویح کی تردید میں امام علی علیہ السلام سے ہمارے پاس یہ سب سے مضبوط روایت ہے۔ میں نے ہمیشہ یہ فرض کیا کہ یہ مستند ہے، لیکن آپ کی اسناد اور متن کے تجزیے کی روشنی میں، مجھے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ ایک من گھڑت روایت کی طرح لگتی ہے۔ میں نے اسے اس نقطہ نظر سے کبھی نہیں دیکھا۔

لیکن پھر بھی۔۔۔**انہوں نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا:** تاہم، مجھے یقین ہے کہ ہماری کتابوں میں اور بھی روایات موجود ہوں گی جنہیں ہم تراویح کے خلاف ثبوت کے طور پر استعمال کر سکتے ہیں۔

آغامہدوی: میرالیپ ٹاپ. آیئے میں آپ کو کچھ احادیث پڑھ کر سناتا ہوں جو میرے خیال میں کافی مستند ہیں۔ وسائل شیعہ سے پہلی روایت یہ ہے

حدیث 1

امام صادق علیہ السلام اور باقر علیہ السلام سے ماہ رمضان کی راتوں میں باجماعت نفل (مستحب) نمازوں کے بارے میں پوچھا گیا۔ تو وہ جواب دیتے ہیں: "یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب عشاء کی نماز پڑھتے تو گھر لوٹتے، پھر رات کے آخری حصے میں مسجد کی طرف نکل جاتے، اور کھڑے ہو کر نماز پڑھتے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کی پہلی رات کو نماز پڑھنے کے لیے نکلے تو لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے صفیں بنالیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو چھوڑ کر اپنے گھر چلے گئے اور انہیں چھوڑ دیا۔ یہ تین راتوں تک دہرایا گیا، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیسرے دن منبر پر کھڑے ہوئے، اللہ کی حمد و ثنا بیان کی، پھر فرمایا: اے لوگو، رمضان کی راتوں میں باجماعت نماز پڑھنا بدعت ہے۔ اور نماز ضحاء بدعت ہے۔ اس لیے رمضان کے مہینے میں راتوں کو نمازوں کے لیے جمع نہ ہوں۔ اور ضحاء کی نماز نہ پڑھو کیونکہ یہ گناہ ہے۔ بے شک ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم کا راستہ ہے۔

اس کے بعد آپ (منبر سے) نیچے اترے اور فرمایا: "تھوڑی سی سنت بہت سی بدعات سے افضل ہے۔

سند حدیث۔ محمد بن علی بن الحسین نسے زرارہ اور محمد بن مسلم سے اور الفضائل سے جنہوں نے مذکورہ بالا حدیث کو کہاماخذ: وصائل الشیعہ، جلد 8، صفحہ 45)

حدیث 2:

ابی عبد اللہ سے رمضان کے مہینے میں مسجد میں نماز پڑھنے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: جب امیر المومنین علیہ السلام کوفہ کی طرف روانہ ہوئے تو آپ نے حسن علیہ السلام کو اذان دینے کا حکم دیا۔ اور لوگوں سے فرمایا: "رمضان کے مہینے میں باجماعت نفل نماز نہیں ہوتی۔ چنانچہ امیر المومنین (ع) کے حکم کے مطابق حسن بن علی (ع) نے لوگوں کو بلایا، تو جب لوگوں نے یہ باتیں سنی تو انہوں نے کہا: "اے عمر!" "اے عمر!" چنانچہ جب حسن بن علی (ع) واپس امیر المومنین (علیہ السلام) کے پاس آئے تو آپ (علیہ السلام) نے پوچھا: "یہ کیا شور ہے؟ تو (حسن) نے جواب دیا: ""اے امیر المومنین! لوگ نعرے لگا رہے ہیں: "اے عمر! اے عمر!" امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: "ان سے کہو" نماز پڑھو۔

اسناد: علی بن۔ الحسن بی احمد ب سے فضل۔ الحسن عمرو بن سے مصدق بن سعد المدنی صدقہ عمار سے جس نے مندرجہ بالا حدیث کو کہاماخذ: وصائل الشیعہ، جلد 8، صفحہ 46

حدیث 3:

ابی عبد اللہ اور ابی جعفر (ع) نے کہا: "جب امیر المومنین (ع) کوفہ میں تھے، لوگ ان کے پاس آئے اور کہا: "ہمارے لیے ایک امام (نماز کے لیے) مقرر کریں اور رمضان المبارک میں ہماری امامت کروائیں۔ تو آپ علیہ السلام نے انہیں جواب دیا: "نہیں" اور آپ علیہ السلام نے انہیں جماعت کرنے سے منع فرمایا۔ پھر جب رات ہوئی تو لوگ چلانے لگے: "اے رمضان، اے رمضان" تو حارث الاحور لوگوں میں سے آئے اور کہا: "اے امیر المومنین! لوگ ہنگامہ آرائی کر رہے ہیں اور آپ کے حکم کو ناپسند کرتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا: "انہیں چھوڑ دو کہ وہ جو چاہیں کریں اور جس کے ساتھ چاہیں نماز پڑھیں" پھر آپ نے قرآن کی آیت تلاوت فرمائی "اور جو شخص سیدھا رستہ معلوم ہونے کے بعد پیغمبر کی مخالف کرے اور مومنوں کے رستے کے سوا اور رستے پر چلے تو جدھر وہ چلتا ہے ہم اسے ادھر ہی چلنے دیں گے اور (قیامت کے دن) جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے (4:115)

سند: محمد بن ادریس سریر کے آخر میں ابو القاسم جعفر بن کی کتاب سے نقل کرتے ہیں۔ محمد بی قولہ جس نے مندرجہ بالا حدیث کو کہا ماخذ: وصائل الشیعہ (آل بیت)، جلد 8، صفحہ 47

جعفر: علامہ نجفی صاحب، ان روایات پر تبصرہ فرمائیں؟ کیا یہ مستند ہیں؟ علامہ نجفی: مجھے ڈر ہے کہ بد قسمتی سے یہ سب ضعیف ہیں۔

آغا مہدوی: کیا آپ انہیں ضعیف قرار دینے کی اپنی وجوہات بیان کر سکتے ہیں؟

آغا نجفی: مجھے خوشی ہو گی۔

حدیث 1 پر تبصرہ:

یہ حدیث ضعیف ہے۔

اس میں بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ صدوق سے زرارہ تک کا طریق قابل اعتبار نہیں ہے کیونکہ شیخ طوسی نے اپنی کتاب رجال میں "محمد بن عیسیٰ بن عبید" کو "ضعیف" اور "غالی" قرار دیا ہے۔۔

محمد بن مسلم الثقفی" سے صدوق کا طروق بھی قابل اعتماد نہیں ہے، کیونکہ "علی بن احمد" اور ان کے والد "احمد بن ابی عبد اللہ" اور ان کے دادا "محمد" بن خالد" کی موجودگی کی وجہ سے یہ سب "مجھول" ہیں۔ (ان کے لیے نامعلوم، یا کوئی واضح درجہ بندی نہیں)۔ در حقیقت "احمد بن ابی عبد اللہ" کو شیخ احمد بن محمد بن عیسیٰ نے (ان کے منحرف عقائد کی وجہ سے) شہر قم سے نکال دیا تھا۔

آغامہدوی: ٹھیک ہے،اور دوسری روایت کی سند کے بارے میں کیا خیال ہے؟

علامہ نجفی: یہ بھی ضعیف ہے۔

حدیث2پر تبصرہ:

علامہ نجفی: اس روایت کی سند بھی "ضعیف" ے کیونکہ علامہ حلی اور شہید ثانی کے مطابق "علی بن حسن بن الفضل" ایک منحرف فرقہ فطحیہ سے تعلق رکھتا تھااور "ضعیف" تھا۔۔ درحقیقت ابن ادریس حلی نے اسے کافر اور ملعون قرار دیا کیونکہ وہ اور اس کا خاندان عقیدہ فطحیہ کے بہت بڑے حامی تھے، اس نے عبداللہ بن جعفر کی امامت کو ثابت کرنے والی کتاب بھی لکھی۔

تو مجھے امید ہے کہ آپ میری بات سے اتفاق کریں گے کہ ہمیں اپنے دلائل کو کسی ایسے شخص کی گواہی پر نہیں لگانا چاہیے جسے ہمارے علماء نے کافر ملعون قرار دیا ہے، کیا ایسا نہیں ہے؟

آغامہدوی(شرمندہ ہوتے ہوئے): ہاں ہاں..... بس یہ ہے کہ ہمارے بہت سے حدیث کے راویوں کے منحرف عقائد تھے، اگر ہم ان کی تمام روایات کو رد کرنے لگیں تو ہمارے پاس بہت کم روایات رہ جائیں گی۔

علامہ نجفی: تو آپ کی تجویز یہ ہے کہ ہمیں راویوں کی حال کی فکر نہیں کرنی چاہیے، اور آیا ان کا صحیح عقیدہ تھا بھی یا نہیں؟ ہمیں آنکھیں بند کر کے ان کی بیان کردہ ہر روایت کو قبول کرنا چاہیے؟

آغامہدوی: نہیں نہیں، میں یہ نہیں کہ رہا ہوں۔

جعفر: مجھے اس حدیث کے متن میں ایک اور مسئلہ نظر آتا ہے۔ اگر امام علی علیہ السلام نے تراویح کی کھلم کھلا مخالفت کی تو دوسرے تمام کلاسیکی مسلمان مورخین اپنی کتابوں میں اس کی مخالفت کیسے درج کرنے میں ناکام رہے، حالانکہ انہوں نے ان کے دوسرے موقف بھی درج کیے ہیں جن میں انہوں نے اپنی کتابوں میں سابقہ خلفاء کی مخالفت کی تھی، جیسے کہ شیخین (ابو بکر و عمر) کی سیرت کی پیروی کرنے سے ان کا انکار جب ان سے تیسری خلافت کو اس شرط پر قبول کرنے کے لیے کہا گیا کہ وہ شیخین کی قرآن، سنت اور سیرت کی پابندی کریں گے۔ سنی علماء نے اس حقیقت کو قلمبند کرنے سے گریز نہیں کیا کہ امام علی علیہ السلام نے شرط کے آخری حصے کو صاف صاف انکار کر دیا اور کہا کہ میں کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اپنے اجتہاد سے حکومت اور فیصلہ کروں گا۔ حقیقت یہ ہے کہ سنی علماء، مورخین اور احادیث کے راویوں نے اپنی کتابوں میں ان نکات کو درج کرنے سے کبھی گریز نہیں کیا جن پر امام علی علیہ السلام نے سابقہ خلفاء کی مخالفت کی یا ان سے اختلاف کیا۔ بلکہ اس طرح کے تمام قابل ذکر واقعات کو انہوں نے اپنی کتابوں میں بڑی احتیاط سے درج کیا ہے۔ مثال کے طور پر امام علی علیہ السلام کا عمرہ اور حج تمتع کے مسئلہ پر سابقہ خلفاء سے اختلاف تھا، اور سنی علماء نے واضح طور پر امام

علی علیہ السلام کے خلفاء کے موقف کی مخالفت کو درج کیا ہے، حالانکہ وہ اس وقت خلیفہ بھی نہیں تھے، (بلکہ وہ باقی سب کی طرح ریاست کے شہری تھے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے زیادہ علم والے شاگردوں میں سے ایک ہونے کی وجہ سے انہوں نے اس کی مخالفت درج کرائی۔

یہاں تک کہ ان حالات میں بھی جہاں اختلاف رائے زیادہ ذاتی نوعیت کا تھا (جیسے فدک پر اہل بیت کا حق اور غنیمت میں ان کا حصہ)، سنی علماء نے اس طرح کے تنازعات کی تفصیلات درج کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی۔

وہ کیسے ثابت قدمی اور احتیاط کے ساتھ امام علی کے سابقہ خلفاء سے اختلاف کے موقف کو ریکارڈ کرتے ہیں جب کہ وہ محض ریاست کے ایک باقاعدہ شہری ہیں، لیکن ان کوششوں کو ریکارڈ کرنے میں ناکام رہتے ہیں جو انہوں نے مبینہ طور پر تراویح پر پابندی لگانے کے لیے اس وقت کی تھیں جب وہ خلیفہ تھے۔ کیا اس کی کوئی منطق ہے؟

اس کے پیش نظر ہم کہتے ہیں: اگر امام علی علیہ السلام نے تراویح پر پابندی لگانے جیسا کوئی بڑا کام کیا ہوتا یا اس کی مخالفت کا اظہار بھی کیا ہوتا تو کتنے علماء اس کو دبا سکتے تھے؟ اگر دس یا بیس سنی علماء اسے دبا دیتے تو بھی دس یا بیس سنی علماء اس کا حوالہ ختم کر دیتے، شاید غائبانہ طور پر، اور حقیقت سامنے آ جاتی، جیسا کہ ہمیشہ ہوتا ہے۔ یاد رکھیں، ان کی کتابوں میں بھی ایسے نڈر راوی اور تاریخ دان موجود ہیں۔ بنو امیہ نے اہل بیت کی فضیلت سے متعلق احادیث کو دبانے کی کوشش کی اور بہت سے علماء کو رشوت دی اور دوسرے علماء کو دھمکایا، پھر بھی آخر میں حقیقت سامنے آئی اور آج اہل سنت کی کتابیں اہل بیت کی فضیلت سے بھری پڑی ہیں۔ مزید برآں، اگر امام علی علیہ السلام واقعی تراویح پر پابندی لگانے کی کوشش کرتے، تو بنو امیہ کی پروپیگنڈہ مشین جو ہر وقت امام علی علیہ السلام کو بدنام کرنے کے لیے گولہ بارود کی تلاش میں رہتی تھی، اس میں بہت بڑی کامیابی حاصل کر لیتے۔ اس بات کا یقین ہے کہ سب کو معلوم تھا کہ امام کی مخالفت کس طرح انہوں نے کی تاکہ لوگوں کی نظروں میں انہیں برا دکھائیں۔

آغا مہدوی: آپ کی بات منطقی لگتی ہے میرے دوست، آپ کی بصیرت کا شکریہ، ہم اس کی تعریف کرتے ہیں۔ اب ہم چاہیں گے کہ آغا نجفی وسائل شیعہ کی تیسری حدیث پر تبصرہ کریں۔

حدیث 3 پر تبصرہ:

علامہ نجفی: حدیث نمبر 3 "مستند" نہیں ہے، یعنی اسناد ٹوٹی ہوئی ہے، اور یہ امام علیہ السلام سے متواتر نہیں ہے۔

آغا مہدوی: ہاں میں اسے دیکھ سکتا ہوں۔ یہاں آپ ہمیں یہ کیوں نہیں بتاتے کہ وہ کون سی روایات ہیں جن کی بنیاد پر آپ تراویح کو بدعت سمجھتے ہیں؟

کیونکہ آپ نے ان تمام روایات کو غلط قرار دیا ہے جو میں نے اور سید آفتاب نے پیش کی ہیں۔ تو آپ کے نزدیک تراویح کے خلاف ہمارے پاس کون سی صحیح روایت ہے؟

علامہ نجفی: بد قسمتی سے، اور میں اس بات کو تسلیم کرنا ناپسند کرتا ہوں، لیکن ہمارے پاس تراویح کے خلاف ایک بھی بے عیب روایت نہیں ہے۔ اس کے خلاف تمام روایات میں خامیاں ہیں، کبھی سند میں، کبھی متن میں، اور اکثر دونوں میں۔

مولانا سید آفتاب: تو ایک لمحہ انتظار کریں۔ کیا آپ مجھے بتانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ ہمارے پاس تراویح کے خلاف ائمہ سے کوئی مستند روایت نہیں ہے؟

علامہ نجفی: اگر کبھی تھی تو بد قسمتی سے ہم تک نہیں پہنچی۔

جعفر: ایک منٹ ٹھہریں۔ آپ یہ کیوں سمجھ رہے ہیں کہ کوئی روایت ضرور آئی ہو گی، لیکن وہ ہم تک نہیں پہنچی۔ اگر یہ ہم تک نہیں پہنچی تو سب سے محفوظ چیز یہ سمجھنا ہے کہ یہ کبھی موجود ہی نہیں تھی۔

مولانا آفتاب: اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ تراویح کے خلاف تمام روایات ضعیف اور من گھڑت ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ تراویح بدعت نہیں ہے جیسا کہ ہم ایمان رکھتے ہیں۔

علامہ نجفی: میں اس حد تک نہیں جاؤں گا کہ یہ کہوں۔

جعفر: کیوں نہیں؟ کیا آپ کے پاس کوئی اور دلیل ہے کہ تراویح غلط ثابت ہو؟

علامہ نجفی: ٹھیک ہے، ہمارے فقہاء کی رائے ہے کہ مستحب نماز یعنی نفل انفرادی طور پر پڑھی جاتی ہے نہ کہ جماعت میں۔ اس کی تائید میں کچھ روایات بھی موجود ہیں۔

جعفر: لیکن سیدنا، کیا وہ روایتیں صحیح اور معتبر ہیں؟

علامہ نجفی: میں تسلیم کرتا ہوں کہ وہ سب ضعیف ہیں، لیکن پھر بھی علمائے کرام اس بات پر متفق ہیں کہ ہمیں سنت یا مستحب نماز کی جماعت کے ساتھ اجازت نہیں ہے۔

جعفر: صلاۃ الاستسقاء (بارش کی دعا) مستحب نماز ہے، اور اگرچہ یہ انفرادی طور پر پڑھی جا سکتی ہے، یہ تقریباً ہمیشہ جماعت کے ساتھ پڑھی جاتی ہے، یہاں تک کہ شیعہ بھی۔ کیا یہ دوہرا معیار نہیں ہے؟

علامہ نجفی: ٹھیک ہے، علمائے کرام صلاۃ الاستسقاء کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں کیونکہ یہ بارش کے لیے دعا ہے، اس لیے بہتر ہے کہ تمام لوگ مل کر اللہ سے اس کے لیے دعا کریں۔

جعفر: ٹھیک ہے، لیکن وہ تراویح کو کیوں مستثنیٰ قرار نہیں دیتے، خاص کر جب جماعت میں نماز پڑھنے کی معقول وجہ ہو۔ ہم میں سے اکثر لوگوں کو قرآن حفظ نہیں لیکن ہم اسے تراویح میں مکمل قرآن سننے کی خواہش رکھتے ہیں جیسا کہ ہمارے نبی اور ائمہ کیا کرتے تھے۔ جماعت تراویح میں شامل ہونے سے اس سے فائدہ اٹھانے کا اور کیا بہتر طریقہ ہے۔ اس طرح ہمیں قیام میں پورا قرآن سننے کو ملتا ہے۔

علامہ نجفی: ہمم... میں نے اس طرح کبھی نہیں سوچا، لیکن آپ نے ایک درست بات اور ایک زبردست دلیل پیش کی۔

تراویح کے بارے میں کچھ اضافی نکات:

جعفر: اب جبکہ بحث تقریباً ختم ہو چکی ہے، میں چند الفاظ کہنا چاہوں گا۔

نماز میں کھڑے ہو کر کتاب اللہ کی لمبی تلاوتیں سننے کا خیال پر جوش اور روحانی ترقی ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ ہماری شیعہ دنیا میں اس کے برابر کوئی عمل ہے، سوائے چند حفاظ (حفظ قرآن) کے جو اپنا انفرادی قیام خود کرنے کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔ اور اگر علماء نے اس سے روکا نہ ہوتا تو مجھے یقین ہے کہ بہت سے متقی شیعہ اس عبادت (قیام اللیل) میں مشترکہ طور پر حصہ لینا پسند کریں گے۔

شیعہ دنیا میں ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ ہے دعائیں (افطہ، جوشانے کبیر)، لیلۃ القدر کی راتوں میں چند سورتیں (روم، دخان، عنکبوت) اور بعض مقامات پر دورہ قرآن۔ اگرچہ یہ سب اچھے ہیں، لیکن ان میں سے کوئی بھی تراویح کے برابر نہیں ہے۔

ان سب میں قیام صرف دعائے افتتاح کا حصہ ہے اور وہ بھی اللہ کے لیے نہیں بلکہ امام کے لیے ہے! تاہم لیلۃ القدر کے عمل میں 19، 21 اور 23 کی راتوں کا کچھ قیام ہے جس میں چند نمازیں شامل ہیں۔ لیکن پھر بھی، تلاوتیں بہت مختصر ہیں،.. ایک عام مختصر فجر کی نماز کی طرح، اور ایسا کوئی احساس نہیں ہے کہ کسی نے اللہ کی رضا کے لیے اس قیام کے لیے کوشش کی ہو جس میں قرآن کی لمبی تلاوت بھی شامل ہو۔

میرا نقطہ نظر یہ ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قیام اللیل کو روزوں کی جڑواں نعمت کے طور پر شیعہ کو اس سے محروم کیا گیا ہے۔ اور ایسا لگتا ہے کہ سنی اس نعمت کا بھرپور فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ اس سے بہتر قیام نہیں ہے جو قیام رات کے آخری حصے میں ہوتا ہے، لیکن نقطہ یہ ہے کہ "ہم کیا کر رہے ہیں؟!"۔ کیا ہم حافظ قرآن ہیں، جو رات کے آخری حصے میں اٹھ کر قیام میں قرآن کے طویل حصے پڑھ سکیں؟ ہم چاہتے ہوئے بھی ایسا نہیں کر سکتے (چونکہ ایک کمیونٹی کے طور پر ہم اتنا زیادہ قرآن حفظ نہیں کرتے)۔ سنی مدارس کے برعکس جہاں مکمل حفظ قرآن، لازمی ہے، شیعہ مدارس یا حوزہ کے پاس ایسی کوئی ضروریات نہیں ہیں۔ کچھ سینئر شیعہ علماء نے شکایت کی ہے کہ وہ حوزہ علما (فقہ / حدیث کی بنیاد پر) فارغ التحصیل ہو جاتے ہیں جنہوں نے قرآن پر مبنی اسباق کا ایک دن بھی مطالعہ نہیں کیا ہے۔ آج بھی ہمارے ہاں مکمل قرآن حفظ کرنے کا کلچر نہیں ہے۔ تو قیام اللیل کے لیے ہمارے آپشن کیا ہیں؟

یاتوواقعی مختصر قیام(زیادہ تر فجر کی طرح کی مختصر رکعتیں)کریں یاکسی اور کی تلاوت کی پیروی کریں(آڈیو/لائیو)تاکہ لمبا قیام پورے دن کے روزے کو جوڑنے کے قابل ہو،جیساکہ سنی کرتے ہیں۔ہمارے لوگوں میں اس طرح کا قیام انہیں قرآن کے قریب لانے،اسے زیادہ اہمیت دینے اور اللہ کے قریب ہونے کا احساس دلائے گا۔

قیام اللیل میں طویل قرآنی آیات کی تلاوت کا حصہ بننا،اور آخر میں پورے عمل کے اختتام پر،اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے ایک جماعت کے طور پر دعامیں شریک ہونا- قیام میں اس کے سامنے کھڑا ہونا،نماز میں،اور قنوت میں ہاتھ اٹھانا(بہت زیادہ قرآن پڑھنے اور اتنے رکوع وسجود کرنے کے بعد)اور پھر اس سے اپنی ضرورتوں کے لیے ایک جماعت کے طور پر دعامانگنا.. جہنم کی آگ سے حفاظت کے لیے،ہدایت کے لیے،طاقت کے لیے،صبر کے لیے، مدد کے لیے،اخلاص کے لیے،پاکیزگی کے لیے،صحت کے لیے،رزق کے لیے،مسلمانوں کی حفاظت کے لیے،مسلمانوں کی ترقی کے لیے،ہماری اولاد، ہمارے والدین،ہمارے اہل وعیال،تمام مسلمانوں کے خون اور عزت ومال کی حفاظت کے لیے،جنت میں داخلہ مانگنے کے لیے،قیامت کے دن مدد !کے لیے،نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا،اللہ کی رحمت اور مغفرت طلب کرناوغیرہ...واقعی حیرت انگیز ہے

قیام کے دوران قرآن کی تکمیل کامشاہدہ آپ کو اللہ کے عاجز بندوں کے ایک اشرافیہ گروپ کارکن بننے کا موقع فراہم کرتا ہے جن کی قرآن میں خاص اور خصوصی تعریف کی گئی ہے کہ جب وہ اللہ کی آیات سنتے ہیں تو"سجدہ میں گرپڑتے ہیں"کے۔یادرکھیں کہ گرنا ایک ایسا عمل ہے جو صرف کھڑے ہونے سے ہی ہو سکتا ہے(یعنی قیام)،ورنہ یہ"مناسب"گرنا نہیں ہے۔

وَقُرْءَانًا فَرَقْنَٰهُ لِتَقْرَأَهُۥ عَلَى ٱلنَّاسِ عَلَىٰ مُكْثٍ وَنَزَّلْنَٰهُ تَنزِيلًا (106) قُلْ ءَامِنُوا۟ بِهِۦٓ أَوْ لَا تُؤْمِنُوٓا۟ ۚ إِنَّ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْعِلْمَ مِن قَبْلِهِۦٓ إِذَا يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ يَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ سُجَّدًا (107) وَيَقُولُونَ سُبْحَٰنَ رَبِّنَآ إِن كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُولًا (108) وَيَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ يَبْكُونَ وَيَزِيدُهُمْ خُشُوعًا (109)

اور ہم نے قرآن کو جزو جزو کرکے نازل کیاہے تاکہ آپ لوگوں کے سامنے اس کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں اور اسی لیے ہم نے اس کو تھوڑا تھوڑا کرکے نازل کیاہے۔آپ کہہ دیجئے کہ تم اس(قرآن)پر ایمان لاؤیانہ لاؤ۔جن لوگوں کو اس سے پہلے علم دیا گیاتوجب ان کے سامنے اس قرآن کی تلاوت کی جاتی ہے تووہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گرپڑتے ہیں۔اور وہ کہتے ہیں کہ ہمارارب پاک ہے۔بیشک ہمارے کاوعدہ پوراہو کررہے گا۔اور وہ روتے ہوئے ٹھوڑیوں کے بل گرتے ہیں اور یہ(قرآن)ان کا خشوع اور بڑھادیتاہے۔(الاسراء آیات 106 تا109)

إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا الَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِهَا خَرُّوا سُجَّدًا وَسَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ﴿15﴾ تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ (16) فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَا أُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (17)

حقیقت یہ ہے کہ ایمان لاتے ہیں ہماری آیات پر وہ لوگ جنہیں جب نصیحت کی جاتی ہے ان کے ذریعہ سے تو وہ گر پڑتے ہیں سجدے میں اور تسبیح کرتے ہیں اپنے رب کی حمد کے ساتھ اور وہ تکبر نہیں کرتے۔ علیحدہ رہتے ہیں ان کے پہلو اپنے بستروں سے، پکارتے ہیں اپنے رب کو خوف اور امید کے ساتھ اور اس (رزق) میں سے جو ہم نے دیا ہے انہیں، خرچ کرتے ہیں۔ سو نہیں جانتا کوئی متنفس کہ کیا چھپا کر رکھا گیا ہے ان کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان بدلہ میں ان اعمال کے جو وہ کیا کرتے تھے؟(السجدہ آیات 15 تا 17)

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ مِنْ ذُرِّيَّةِ آدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ وَمِنْ ذُرِّيَّةِ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْرَائِيلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُ الرَّحْمَٰنِ خَرُّوا سُجَّدًا وَبُكِيًّا (58)

یہ ہیں وہ لوگ کہ انعام فرمایا اللہ نے ان پر انبیاء میں سے جو اولاد تھے آدم کی اور ان کی جن کو سوار کیا تھا ہم نے نوح کے ساتھ اور یہ نسل سے تھے ابراہیم و اسرائیل کی اور ان لوگوں میں سے تھے جن کو ہم نے ہدایت بخشی اور برگزیدہ کیا۔ جب پڑھی جاتی تھیں ان کے سامنے آیات رحمن کی تو گرِ پڑتے تھے سجدے میں روتے ہُوئے۔(المریم آیت 58)

بد قسمتی سے اگر ہم آج کے شیعوں کے ساتھ اپنی زندگی گزاریں تو اللہ کی آیات سن کر قیام سے ایک بار بھی "سجدہ میں گرے "بغیر ستر یا اسی سال کی زندگی گزار سکتے ہیں اور اس طرح ہم محروم ہو جاتے ہیں ان لوگوں میں شامل ہونے سے جن کی اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس عظیم خوبی کی تعریف کی ہے، یعنی اللہ کی آیات سن کر سجدہ میں "گرنے "کا معیار۔ ان کے قیام کے دوران قرآن۔

مولانا آفتاب: ماشاءاللہ جعفر بھائی آپ نے ہم سب کو تراویح کی نماز پڑھنے کی ترغیب دی ہے، بد قسمتی سے معاشرے میں میرے مقام کی وجہ سے اس بدلے آپ کو نماز میں شامل ہونا میرے لیے ناممکن ملے۔ بہر حال میں ان شاءاللہ اسکو پڑھنے والوں کو حقیر نہیں سمجھوں گا۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ آپ کو برکت دے اور آپ کو آپ کی خالص نیتوں کا بدلہ دے، اور اس تحقیق کے لیے ہماری آنکھیں کھول دیں جس کے بارے میں ہمیں علم اجر نہیں تھا۔